

۳).....ذاتِ و اخلاقِ نبویہ کی حفاظت: آنحضرت ﷺ کے دل کی پاکیزگی اور صفائی کے

ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کی اور بھی کئی لحاظ سے حفاظت فرمائی۔ مثلاً آپ کو ناپسندیدہ گفتار و کردار سے بچایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ”پس یہ اللہ کی رحمت کا اثر ہے کہ تم اُن (صحابہ) کے لیے نرم ہو، اور اگر تم سخت گواور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔“ [آل عمران: ۳/۱۵۹]

نیز آپ ﷺ کے دشمنوں آپ کو تبلیغِ دین و رسالت سے روکنے کے لیے کئی حربے اپنائے اور ہتھکنڈے استعمال کیے مگر اللہ عز و جل نے اُن تمام سے آپ کو بچایا۔ ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ”اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔“ [المائدہ: ۵/۶۷]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام غیر اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رکھا، غلطی اور نسیان سے (اور اُن پر اصرار سے) غلط بیانی اور احکامِ الہیہ کو چھپانے سے، اور ان تمام باتوں سے جو اخلاقِ عالیہ کی اُجلی ہوئی چادر کو داغ دار کر سکتی تھیں۔ ﴿وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝۳ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝۴﴾

بقائے حق و فنائے باطل

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی تمام تعلیمات کی بنیاد ایک خاص حقیقت و قانون پر رکھی ہے جس کو وہ حق کے بقاء اور باطل کے شکست و ہلاکت سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ کائنات عالم میں ایک چیز ہے جس کا نام حق ہے۔ اس کا خاصہ قدرتی یہ ہے کہ وہ صرف کامیابی و فتح اور بقاء و دوام کے لیے ہے۔ نقصان اور ہلاکت کبھی اس کے لیے نہیں ہو سکتی۔ اس کے بالمقابل ایک دوسری چیز ہے جس کا نام ”باطل“ ہے۔ سو جس طرح پہلی چیز صرف بقاء کے لیے تھی، اسی طرح یہ صرف فنا و ہلاکت کے لیے ہے۔ اس کو کبھی کامیابی نہیں مل سکتی اور کبھی وہ حق پر غالب نہیں آ سکتی۔ پھر جا بجا انہی دو حقیقتوں کو اور مختلف ناموں سے بھی پکارا ہے اور مختلف حالتوں میں آ کر ان کی مختلف صورتیں بن گئی ہیں۔ تاہم ہر جگہ ان کے ان دو قدرتی خاصوں کا دعو اور اعلان عام موجود ہے، اور اس پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ دو تہائی قرآن اسی قانون بقا و فنا باطل کے ذکر سے لبریز ہے۔ کہیں صرف صاف اور سادہ دعویٰ کر دیا ہے، کہیں دلائل و شواہد پیش کیے ہیں۔ کہیں مثالوں کے پیرایہ میں سمجھایا ہے، کہیں حق و باطل کے مشہور معرکوں کی سرگزشتیں دھرائی ہیں، اور کہیں مختلف قوموں اور ملکوں کے قصص و واقعات سنا کر اس کی حقیقت کو ذہن نشین کیا ہے۔ پھر کہیں اس قانون کے نفاذ کے آثار و علامت بتلائے ہیں، کہیں اس کے نتائج و ثمرات کو گنایا ہے، کہیں بتلایا ہے کہ اس کی خدمت ابتدائے خلقت سے ہے اور آخر تک رہے گی، کہیں خبر دی ہے کہ دنیا کا ماضی اور مستقبل یکساں طور پر اس قانون کی صداقت کی شہادت ہے، اور کہیں نہایت شرح و بسط سے ان تمام شبہوں اور اعتراضوں کے جواب دیے ہیں، جن کو نادان و غافل انسان اس قانون کی اٹل بادشاہت پر کر بیٹھتا ہے۔

فہرست

1	جواہر پاریے
2	کلمہ طیبہ
5	اداریہ
7	تحقیق و تنقید
11	مضامین و مقالات
14	اصلاح معاشرہ
20	تحقیق و تنقید
22	احکام شریعت
25	اخذ و اقتباس
30	تحقیق و تنقید
35	شعر و ادب

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(حافظ احمد شاکر)

کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟ (۷)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

امت پر نبی کریم ﷺ کے حقوق (۴)

(حافظ محمد اسحاق زاہد)

اسلام دہشت گردی نہیں سکھاتا

(محمد خالد سیف)

ابوحنیفہ کا بے اصل واقعہ

(مولانا فضل الرحمن بن محمد)

دعا کی تاثیر کا سائل ہوں

(محمد یونس بصیر)

تعارف ”تعلیماتِ مجددیہ“

(مولانا محمد اسماعیل سلفی)

دین اسلام کی وسعت اور ہماری تنگ نظری

(مولانا محمد عبداللہ سرور)

قرآن کیا ہے؟

قُلْ	يُعْبَادِ (يَا + عِبَادِي)	الَّذِينَ	أَمَنُوا	اتَّقُوا	رَبَّكُمْ (رَبَّ + كُمْ) ط			
کہہ دو	اے+میرے بندو	جو لوگ	وہ ایمان لائے	تم ڈرو/پرہیز کرو	پروردگار+تمہارا			
لِلَّذِينَ (لِ + الَّذِينَ)	أَحْسَنُوا	فِي	هَذِهِ	الدُّنْيَا	حَسَنَةً ط	وَ	أَرْضُ	اللَّهِ
واسطے+اُن لوگوں کے	انھوں نے نیکی کی	میں	یہ/اس	دنیا	اچھائی	اور	زمین	اللہ
وَاسِعَةً ط	إِنَّمَا	يُوفَى	الصَّابِرُونَ	أَجْرُكُمْ	بَغَيْرِ (بِ + غَيْرِ)	حِسَابٍ ⑩		
کشادہ	سوائے اس کے نہیں	پورا پورا دیا جائے گا	صبر کرنے والے	بدلہ+اُن کا	ساتھ+علاوہ/بغیر	حساب		

”تم کہہ دو! اے میرے بندو جو ایمان لا چکے ہو اپنے رب کی نافرمانی سے بچو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کا رستہ اختیار کیا اُن کے لیے اچھا بدلہ ہے (دنیا و آخرت میں) اور اللہ کی زمین کشادہ ہے، بس صبر کرنے والے (اور دین حق پر ثابت قدم رہنے والے) ہی ہیں جنھیں اُن کا بے حساب اجر پورا پورا دیا جائے گا۔“

قیامت کے قریب مسلمان یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخِذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا بِشَيْءٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ)) [بخاری: ۷۳۱۹]

”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت پہلی امتوں کے اس طرح برابر نہ ہو جائے جس طرح بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔“

نیک اولاد طلب کرنے کی دعا

((رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ))

”اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔“

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حافظ احمد شاکر

اداریہ

دین کی اصطلاح میں بدعت ہر اس فعل و عمل کو کہا جاتا ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قولاً و عملاً تو ثابت نہ ہو لیکن اس..... بلاشبہوت..... عمل کو ثواب سمجھ کر کیا جائے، اس وجہ سے کہ آپ نے فرمایا: کل بدعة ضلالة ”ہر بدعت گمراہی ہے۔“ قیامت کے دن ساقی کوثر ﷺ حوض کوثر پہ جب خوش نصیب امتیوں کو جام کوثر سے نواز رہے ہوں گے تو بدعت ایجاد کرنے والوں کو سحققاً سحققاً ”دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ،“ فرمائیں گے۔ اللہم اعذنا منہ۔

۱۲ ربیع الاول، جس روز آپ کی وفات یقینی اور ولادت مختلف فیہ ہے، حسب سابق آئی اور گزر گئی۔ اس روز کو چند سالوں سے عید میلاد النبی ﷺ کا نام دیا جا رہا ہے جب کہ آج سے ۲۵، ۳۰ سال قبل..... لاہور میں..... اس دن کو بارہ وفات کہا جاتا تھا۔

اندرون شہر سے عنایت اللہ قادری نامی ایک صاحب ہوا کرتے تھے جنہوں نے آخری چہار شنبہ بارہ وفات اور گیارہویں ”شریف“ کے نام سے مختلف جلوس نکالنے کی ابتدا کی تھی۔ ۱۲ ربیع الاول کے جلوس میں زیادہ تر گڈیں ہوا کرتی تھیں جن پر لوگ عموماً مؤدب انداز اور لباس میں بیٹھے ہوتے، کچھ بچے اور نوجوان گھوڑوں پر بھی ہوتے تھے۔ بعض گھڑسوار عرب پہناوے کے ساتھ نکلتے اس جلوس سے عموماً نعتوں اور درود و سلام کی صداکسں ہی آتی تھیں۔ لیکن ہوا یہ کہ عوام کے محفل آرائی کے شوق نے اس بارہ وفات کو دھیرے دھیرے عید میلاد کی شکل دے دی اور دہلی دروازہ کے باہر باقاعدہ ایک میلاد چوک بنادیا گیا جہاں سے اب یہ جلوس روانہ ہوتا ہے اور اختتام علی تجویری کے در پر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ درود و سلام اور نعتوں کے ساتھ رنگ برنگے ساز و آواز اور فلمی دھنوں کی طرز پر لعتیہ اشعار پڑھے جاتے اور بے ہودہ بھنگڑوں سے ان جلوسوں کی رونق دو بالا کی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ درحقیقت عید میلاد کے نام پر بارگاہ نبوی میں گستاخی نظر آتی ہے۔

قطع نظر ان امور کے بدعت ہونے یا نہ ہونے اور جواز یا عدم جواز کے عمومی عقل (Comon Sense) یہ سوچتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور آمد کے جو مقاصد قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ نے ہم کو بتائے ہیں وہ ہیں ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت یعنی توحید و رسالت پر ایمان لانا۔ عید میلاد النبی میں بایں انداز شور و غوغا اور ہنگامہ ہاؤ ہودیکھ کر ذہن میں کئی سوال آتے ہیں۔

☆..... کیا میلاد کے ان جلوسوں کا قبروں پر اختتام..... جو کہ اکثر ہوتا ہے..... عقیدہ توحید کے مطابق ہے؟ آپ کی آمد تو شرک ختم کرنے اور توحید کی دعوت دینے کے لیے ہی ہوئی تھی! کیا آپ کی آمد کے جشن کا یہ انداز آپ کی آمد کے مقصد کے مطابق ہے؟

☆..... آپ ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا ہے کہ میری بعثت آلات غنا..... ڈھولک، ہارمونیم وغیرہ..... توڑنے کے لیے ہوئی ہے (او کما قال) تو آپ کی آمد کے جشن میں ڈھولک ہارمونیم، بانسریاں اور جھنجھنے وغیرہ کے استعمال کا آپ کی تشریف آوری سے کیا کوئی تعلق ہے یا یہ مقصد بعثت کے مطابق ہے؟

☆..... آپ کی محبت ایمان کا ایسا جز ہے جس کے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا لیکن آپ سے محبت کا یہ کیسا اظہار ہے کہ اس کے لیے مختلف ترغیبات کے ذریعے لوگ زیادہ سے زیادہ جمع کیے جائیں۔ اور ظاہر و باطن یہ خواہش ہو کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس جلوس کو دیکھیں اور داد دیں تو کیا یہ جذبہ کہیں ریاکاری تو نہیں بن جاتا؟ وہ ریا جسے آپ نے شرک خفی فرمایا ہے۔ یہ سوال بھی غور کرنے کا ہے؟

☆..... شریعت نے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف فرمایا ہے اور بلا ضرورت خرچ کرنے کو تہذیر۔ جن کی آمد کا جشن منایا جاتا ہے ان پر نازل کرنے والے نے نازل کی جانے والی کتاب میں..... بے جا خرچ کرنے والے..... کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پروانے انتہائے محبت سے سرشار ہو کر یہ خرچ کرتے ہیں اور ان کو ان کے راہبر ثواب کی امید بھی دلاتے ہیں۔ اب دیکھا جائے تو جھنڈیوں سے، راستے کی زیبائشوں سے، بجلی کے قلموں اور سرچ لائٹوں سے گلیوں، محلوں اور راستوں کی تزئین بدعت بھی ہوئی کہ یہ خرچ ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہے اور بلا ضرورت خرچ کرنے کی وعید آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اس لیے ان چیزوں کی رغبت و اجازت دینے والے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام سے ان امور کے جواز کے دلائل پوچھنا تو شاید سوء ادب نہ ہوگا کہ اس جواب سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔

ہاں تو بات چل رہی تھی اس جشن آمد مصطفیٰ ﷺ کی جو بارہ وفات سے عید میلاد النبی بن گیا کہ اس مقدس نام پر کیا جانے والا میلہ نما اجتماع کیا آپ کے مقام نبوت کے مطابق ہے؟ آپ ﷺ کی ذات گرامی تو بقول شاعر ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ ان کو پکارنے، ان کی محفل میں بات کرنے، ان کا نام لینے یعنی بارگاہ نبوی کی ایک ایک چیز کے آداب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورہ حجرات میں بیان فرمادیے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ سے جو درود شریف منقول ہیں ان سب میں آپ نے ہر درود کو اللہم صل علی محمد الخ سے شروع فرمایا ہے۔ یعنی کسی امتی کے براہ راست درود بھیجنے کی بجائے اس کو اللہ تعالیٰ کے حضور درود بھیجنے کی درخواست کرنے کی ہدایت دی گئی اور طریقہ بتایا ہے۔ اور ایک صحیح حدیث کے مطابق آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی سن کر جو مسلمان درود..... کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم..... نہ بھیجے اس کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری کی دعا جبرائیل علیہ السلام نے فرمائی اور امین محمد رسول اللہ ﷺ نے خود کہی۔ بتائیے اس کی قبولیت میں کوئی شک رہ سکتا ہے؟

اس ذات مقدس اور بابرکت ہستی کے نام نامی کو فلفلی نغموں کی دھنوں کے ساتھ گلی کوچوں میں سنتے سنا تے بھی رہنا، گیس بھی لگانا، غیر ذمہ دارانہ گفتگو سے باز بھی نہ آنا اور نماز کا اہتمام بھی نہ کرنا کیا اس سب کچھ کو بعثت رسول ﷺ کا مقصد کہا جاسکتا ہے؟ محبت و اطاعت کا نام ہے۔ سورہ آل عمران کے چوتھے اور پارہ نمبر ۳ کے بارہویں رکوع کی تلاوت اگر نصیب ہو تو پہلی آیت ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”(اے پیغمبر!) تم کہہ دو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت چاہتے ہو تو میری (رسول اللہ ﷺ) کی اطاعت کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔“

اس لیے اس نکتہ نظر کے حامل علمائے کرام اور واعظین عظام سے ہماری گزارش ہے کہ وہ خود اطاعت رسول ﷺ کی ہر ممکن کوشش کر کے اس کا نمونہ بنیں اور اپنے نیاز مندوں کو بول و لعب میں مشغول کرنے کی بجائے اطاعت رسول ﷺ کی تعلیم دیں، اس نبج پر ان کی تربیت کریں تاکہ یہ بے چارے شرک، ریا اور اسراف و تبذیر سے محفوظ رہ کر اطاعت رسول ﷺ کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔

حکومت کی دانائی:

دکلاء کے لانگ مارچ اور شریف برادران کی نااہلی کے احتجاج نے ایک نہ شد و شد والی ایسی صورت اختیار کر لی کہ حکومت کو اپنے متنازعہ اقدامات و احکامات واپس لینے پڑ گئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت نے دانائی کا مظاہرہ کرتے اور فساد سے بچتے ہوئے عدلیہ بھی بحال کر دی ہے اور سپریم کورٹ کے فیصلے پر نظر ثانی کی اپیل کرنے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔ خوشی اس بات سے ہوئی کہ ملک جس خطرناک صورت کی طرف لڑھک رہا تھا مخلصین کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس مشکل صورت حال سے اسے ایک مرتبہ پھر نکال لیا ہے۔ اب جناب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور میاں نواز شریف پر ذمہ داری آن پڑی ہے کہ ہمارے خیال میں ان کو امن، مہنگائی اور بے روزگاری کی طرف فوری توجہ کر کے صورت حال کو جلد از جلد بہتر کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ان دو حضرات کی صحیح راہ نمائی فرمائے ان کو امور خیر کی توفیق دے اور وطن عزیز کو حاسدوں کے حسد، سازشیوں کی سازشوں، وطن دشمنوں کی شرارتوں اور طاغوت کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟ 7

مولانا ارشاد الحق اثری

پانچویں روایت:

امام محمد باب الصلاۃ بعرفۃ وجمع میں ”ابوحنیفہ عن حماد“ کی سند سے امام ابراہیم سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

”اذا صلیت یوم عرفۃ فی رحلک فصل کل واحد من الصلاتین لوقتھا۔“

”جب تم عرفہ کے دن اپنے مقام پر نماز پڑھو تو دونوں نمازیں..... ظہر و عصر..... ان کے اپنے اپنے وقت میں پڑھو۔“

امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ کا موقف ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے مقام پر بھی اسی طرح پڑھے جیسا کہ امام کے ساتھ دونوں پڑھی جاتی ہیں۔ کیوں کہ عصر و قوف عرفہ کے لیے پہلے کر دی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

”کذلک بلغنا عن عائشۃ ام المؤمنین وعن عبد

اللہ بن عمر وعن عطاء بن ابی رباح وعن

مجاہد۔“ [کتاب الآثار، ص: ۷۰، رقم: ۳۴۳]

”اسی طرح ہمیں حضرت عائشہ ام المؤمنین، عبداللہ بن عمر، عطاء اور مجاہد سے پہنچا ہے۔“

کتاب الآثار کی روایات کو جو اصحاب الفتیاء کے ہاں معمول بہا اور تلقی بالقبول کا درجہ باور کرایا گیا ہے۔ امام ابراہیم کے اثر پر تو تلمیذ رشید کا بھی عمل نہیں بلکہ جمہور فقہاء و محدثین کا بھی عمل نہیں۔ جس کی تفصیل یہاں مطلوب و مقصود نہیں۔ بلکہ تلمیذ رشید اس کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن عمر اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کا اور عطاء بن ابی رباح اور مجاہد کا فتویٰ و عمل پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے

مقابلہ میں صحابہ کا اثر بہر نوع مقدم و موثر ہے۔ وہ معروف اصول کہاں گیا کہ حدیث نہ ہو تو امام صاحب صحابہ کرام کے عمل کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بعض متاخرین نے تلاش سے ایک صحابی کا اس حوالے سے اثر امام صاحب کی تائید میں پیش کیا ہے مگر کتب احادیث و آثار میں اس کا بالاسناد وجود مفقود ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اگر ابراہیم نخعی کی تائید میں صحابی کا قول ہوتا تو امام محمد اس کے مقابلے میں صحابہ کے عمل کو پیش کرنے کا تکلف نہ کرتے۔ اور امام صاحب کے اختلاف کی جسارت بھی نہ کرتے۔

چھٹی روایت:

اسی طرح امام محمد ”ابوحنیفہ عن حماد“ سے امام ابراہیم کا یہ قول ذکر کرتے ہیں کہ امام نماز جمعہ میں تشہد میں بیٹھا ہو اور کوئی شخص اس حالت میں آ کر امام کی نماز سے ملتا ہے تو وہ امام کے سلام کے بعد دو رکعت جمعہ کی پڑھے، امام محمد فرماتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے مگر

”لسنا نأخذ بهذا من أدرك من الجمعة أضاف

إليها أخرى، وإن أدرك هم جلوساً صلى أربعاً

وبذلك جاء الآثار من غير واحد۔“

”ہم اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ جو جمعہ کی ایک رکعت پائے

وہ دوسری ساتھ ملا کر پڑھے، اور اگر تشہد میں ملا ہے تو چار

(ظہر کی) رکعتیں پڑھے، اس کے مطابق بہت سے آثار

آئے ہیں۔“

اس کے بعد انھوں نے اپنی سند سے حضرت انس، حسن بصری، سعید بن المسیب، خلاص بن عمرو، علقمہ بن قیس، اسود بن یزید..... جو امام

ابراہیم نخعی کے استاد ہیں..... سفیان ثوری، زفر کا یہی فتویٰ ذکر کیا ہے۔
[کتاب الآثار، ص: ۲۶، رقم: ۱۲۸]
اس کی تائید میں مرفوع احادیث بھی ہیں۔ مگر یہ تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں تو بس یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب الآثار کی روایات کو اصحاب الفتویٰ کے ہاں تلقی بالقول نہیں۔ جیسا کہ نعمانی صاحب نے فرمایا ہے۔

ساتویں روایت:

امام محمد، امام ابو حنیفہ سے اور وہ حماد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے امام طاؤس اور امام سالم بن عبد اللہ سے ثلث یا ربع پر مزارعت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے اس کا امام ابراہیم نخعی سے ذکر کیا تو انھوں نے اسے مکروہ قرار دیا اور فرمایا: طاؤس اپنی زمین مزارعت پر دیتے تھے اسی لیے انھوں نے ایسا کہا۔ امام محمد فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ، امام ابراہیم کے قول پر فتویٰ دیتے تھے مگر ہم امام طاؤس اور سالم کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ مزارعت میں کوئی حرج نہیں۔ [کتاب الآثار، ص: ۷۲، رقم: ۷۷۴]

غور فرمائیے امام ابو حنیفہ نے امام ابراہیم کے قول کو ”الآثار“ میں بیان فرمایا اور اس پر فتویٰ دیا، کیا اسے فقہاء اور اصحاب فتویٰ کے ہاں تلقی بالقول حاصل ہے؟ اسے تو ان کے تلمیذ رشید نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ کوثری نے تو فرمایا ہے:

”بل نعترف بان المجتهد قد یخطئ فی التفریع،
ولأبی حنیفہ بعض ابواب فی الفقہ من هذا القبیل
ففی کتاب الوقف اخذ بقول شریح القاضی
وجعله أصلاً ففرع علیه المسائل فأصبحت فروع
هذا الكتاب غیر مقبولة حتی ردھا صاحبہا،
وهكذا فعل فی کتاب المزارعة حیث أخذ بقول
ابراہیم النخعی وجعله أصلاً وفرع علیه
الفروع۔“ [تأنیب الخطیب، ص: ۲۰۳]
”بلکہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مجتہد کبھی تفریعات میں غلطی کر

جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہ کے بعض فقہی ابواب اسی نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ کتاب الوقف میں انھوں نے قاضی شریح کے قول کو اصل قرار دے کر اس پر مسائل کی تفریعات قائم کیں تو اس کتاب کی فروعات غیر مقبول ٹھہریں حتیٰ کہ ان کے دونوں شاگردوں نے اسے رد کر دیا۔ اسی طرح انھوں نے کتاب المزارعة میں کہا کہ ابراہیم نخعی کے قول کو لیا اسے اصل قرار دے کر اس سے فروعات نکالیں۔“

گویا وقف اور مزارعت کے بارے میں امام صاحب کا موقف علامہ کوثری کی نگاہ میں بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ مگر افسوس کہ ایسا اثر بھی نعمانی صاحب کے نزدیک فقہاء کے ہاں تلقی بالقول کے درجہ میں ہے۔ (سبحان اللہ)

ہم نے بفضل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کتاب الآثار کا اسی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا ہے، ہم نے دیکھا کہ امام محمد کتاب الآثار میں ذکر کردہ آثار و روایات کے بارے میں کھلے دل سے اختلاف کرتے ہیں کبھی فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی کے قول پر عمل کرتے ہیں مگر ہم نہیں مانتے۔ وہ ان کے مقابلے میں صحابہ و دیگر تابعین کے عمل کو ترجیح دیتے جس کی تین درجن کے قریب مثالیں پیش نظر ہیں۔ مگر اس تفصیل کا یہ مقالہ عجالہ متحمل نہیں۔ بلکہ امام صاحب اگر حضرت ابن عباس اور ابن عمر کے عمل کو لیتے ہیں تو امام محمد اس کے برعکس حضرت عمر، علی اور ابو ہریرہ کے عمل کو لیتے ہیں۔ کبھی دونوں بزرگ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اثر کو چھوڑ کر دوسرے صحابی کے اثر کو لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ صحابہ کرام کے اقوال و آثار میں بھی اخذ و رد کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے کتاب الآثار میں مروی آثار کو اصحاب الفتویٰ کے ہاں تلقی بالقول کا درجہ دینا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔

چند دیگر روایات:

بلکہ کتاب الآثار میں بعض ایسی روایات ہیں جو بہر نوع بے بنیاد ہیں اور وہ بھی ہیں جو صحیح احادیث کے معارض و مخالف ہیں۔ مثلاً قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں:

”عن ابی حنیفہ عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمر أنه قال صلى النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة اربع ركعات، قال فقلت له أرنى المكان الذي صلى فيه۔“ الخ

[الآثار، ص: ۱۱۷، رقم: ۵۴۶]

”امام ابوحنیفہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ میں چار رکعت پڑھی ہیں۔ میں نے ان سے کہا مجھے وہ مقام دکھائیے جس میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔“

اسی روایت کے بارے میں حاشیہ میں مولانا ابوالوفا افغانی مرحوم نے لکھا ہے کہ ”صحاح میں یہ روایت معروف ہے کہ آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے، آپ کے ہمراہ اسامہ، بلال اور عثمان اکبری تھے، آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بلال سے پوچھا تھا کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی۔“ مگر کاش مولانا مرحوم یہ بھی ذکر کر دیتے کہ ”صحاح“ میں، کعبہ کے اندر کتنی رکعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے تو معاملہ صاف ہو جاتا۔ صحیح بخاری [ج: ۱، ص: ۱۵۶، ۱۵۷] ہی میں دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الشامی نے سبل الہدیٰ میں ”ذکر قدر صلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبہ“ کے تحت اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”بخاری و مسلم میں یحییٰ بن سعید کی روایت میں، بخاری اور نسائی میں ابوالفضل نعیم بن دین، ابن خزیمہ میں ابوعاصم الضحاک بن مخلد، اسماعیلی میں عمر بن علی، مسند امام احمد میں عبداللہ بن نمیر، یہ سب سیف بن ابی سلیمان عن مجاہد عن ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی انھوں نے کہا ہاں دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ سیف بن ابی سلیمان کی متابعت مسند احمد میں نھیف نے کی ہے، اور مجاہد کی متابعت مسند احمد، نسائی میں ابن ابی ملیکہ نے اور عمرو بن دینار نے کی ہے جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔“

[سبل الہدیٰ، ج: ۵، ص: ۲۳۱]

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت، میں مختلف و متعدد اسانید سے دو رکعت پڑھنے کا ہی ذکر ہے۔ بلکہ علامہ ابن یوسف شامی نے حضرت جابر، عثمان بن طلحہ، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمن بن صفوان رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام سے بھی دو رکعت پڑھنے کا ہی ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھئے فتح الباری [ج: ۱، ص: ۵۰۱]

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے، نماز کی تعداد کے بارے میں سوال کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تو احادیث میں ہے۔ حافظ ابن حجر وغیرہ نے ان کے مابین تطبیق دی ہے۔ مگر یہ کسی صحیح روایت میں نہیں کہ آپ ﷺ نے کعبہ میں چار رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ روایت کتاب الآثار میں ہے مگر سنداً صحیح نہیں۔ کیوں کہ حماد بن ابی سلیمان اپنی عمر کے آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ امام صاحب ان کے اس دور میں بھی حماد کے ہاں ”استفادہ“ کرتے رہے ہیں بلکہ علامہ بیہقی نے لکھا ہے:

”لا یقبل من حدیث حماد إلا ما رواه عنه القدماء
شعبة وسفيان الثوري والد ستوائی وما عدا هؤلاء
رواه عنه بعد الاختلاط۔“

[مجمع الزوائد، ج: ۱، ص: ۱۱۶]

کہ حماد کی وہی حدیث مقبول ہوگی جو ان سے ان کے پہلے شاگرد شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام دستوائی بیان کریں اور جو ان کے علاوہ ہیں انھوں نے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے۔ یہی بات امام احمد نے بھی فرمائی ہے۔ [تہذیب، ج: ۳، ص: ۱۶]

اس لیے یہ روایت تو تبھی قابل اعتناء ہو سکتی ہے جب حماد سے اس کے قدامت تلامذہ بیان کریں یا اس کی کسی اور ثقہ نے متابعت کی ہو۔ ورنہ یہ بہر حال غلط اور شاذ ہے۔

دوسری روایت:

قاضی ابویوسف کتاب الآثار میں ”ابوحنیفہ عن حماد“ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں:

”أنه كان لا يسجد في ص، ولا يسجد في سورة الحج إلا في الأولى۔“ [الآثار، ص: ٤٠، رقم: ٢٠٤]
 ”کہ وہ سورۃ ص میں سجدہ نہیں کرتے تھے اور سورۃ الحج میں صرف پہلا سجدہ ہی کرتے تھے۔“

مولانا ابوالوفا افغانی نے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ ”حماد عن ابن مسعود“ کے درمیان میں ”عن ابراہیم“ کا واسطہ گرا ہوا ہے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں یہ اثر ابراہیم کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور اس میں سورۃ الحج میں سجدہ کا ذکر نہیں۔ عرض ہے کہ بلاشبہ امام محمد نے الآثار [رقم: ٢٠٩، ص: ٢٢] میں یہ ”عن ابراہیم“ کے واسطہ سے ہی ذکر کیا ہے اور اس میں سورۃ الحج میں سجدہ کرنے یا نہ کرنے کا ذکر بھی نہیں۔ روایت میں ایسا اختلاف کوئی بعید نہیں۔ مگر یہ جو قاضی ابویوسف نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سورۃ الحج میں صرف پہلا سجدہ کرنے کا ہی ذکر فرمایا ہے یہ محدثین اور ائمہ کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ امام حاکم فرماتے ہیں:

”وقد صحت الرواية فيه عن قول عمر بن الخطاب وعبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر وعبد الله بن مسعود وابي موسى وابي الدرداء وعمار رضي الله عنهم۔“

[المستدرک، ج: ٢، ص: ٣٩٠]
 ”یعنی سورۃ الحج میں دو سجدوں کے بارے میں صحیح روایت حضرت عمر، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود، ابوموسیٰ، ابوالدرداء اور عمار رضی اللہ عنہم کے قول و عمل سے آئی ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے بالاسناد حضرت ابن مسعود سے سورۃ الحج میں دونوں سجدے کرنے کی روایت ذکر کی ہے۔ یہی بات امام بیہقی نے المعرفہ [ج: ٢، ص: ١٥٣] میں اور ان کے بالاسناد اثر السنن [ج: ٢، ص: ٣١٨] میں ذکر کیا ہے۔ اور امام حاکم کی یہی بات علامہ ذیلیعی نے نصب الراية [ج: ٢، ص: ١٨٠] میں، اور حافظ ابن حجر نے التلخیص الحییر [ج: ٢، ص: ٩] میں بلا تکثیر نقل کی ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن قدامہ

نے تو فرمایا ہے:

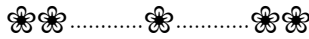
”فإنه قول من سمينا من الصحابة لم نعرف لهم مخالفاً في عصرهم فيكون اجماعاً۔“

[المغنی، ج: ١، ص: ٦٨٥]

”یہ ان صحابہ کا قول ہے جن کا ہم نے نام لیا ہے، ہم نہیں جانتے کہ ان کے زمانے میں کسی نے ان کی مخالفت کی ہو تو یہ اس پر ان کا اجماع ہوا۔“

بلکہ ابواسحاق تابعی فرماتے ہیں ستر سال سے تو میں نے لوگوں کو سورۃ الحج میں دونوں سجدے کرتے دیکھا ہے۔ [ابن ابی شیبہ، ج: ٢، ص: ١٢۔ المغنی لابن قدامہ، ج: ١، ص: ٦٨٥]

اس لیے کتاب الآثار کی یہ روایت بھی ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت ابن مسعود کے معروف عمل کے خلاف ہے۔ [جاری ہے]



قارئین کے لیے عظیم خوشخبری

مسنون نماز

از قلم: عبدالرؤف بن عبدالکحان بن حکیم محمد اشرف سندھو
 یہ کتاب شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کی بہترین تقریظ کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے۔

ملنے کے پتے

مکتبہ اسلامیہ

مکتبہ قدوسیہ

امت پر نبی کریم ﷺ کے حقوق ④

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد (کویت)

أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَقُولُ: لَا -
”میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم
کہتے ہو: نہیں۔“ [حوالہ مذکور]

اس حدیث کے فوائد میں امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:
فیہ تعزیر المعترض علی السنة والمعارض لها
برأیہ، وفيہ تعزیر الوالد ولده ولان کان کبیرا۔

[شرح النووی لمسلم]

”اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی سنت پر
اعتراض کرے اور اپنی رائے سے اس کے برعکس کوئی بات
کرے تو اسے سزا دی جاسکتی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ والد اپنے بیٹے کو سزا دے سکتا ہے چاہے وہ بڑا ہی
کیوں نہ ہو۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اسی حدیث کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
باوجودیکہ انتہائی سخت مزاج تھے، اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع
نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی عشاء اور فجر کی نمازیں مسجد میں جا کر
باجماعت پڑھتی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ مسجد میں آ کر کیوں نماز
پڑھتی ہیں جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ناپسند کرتے
ہیں اور بڑے ہی باغیرت ہیں؟ وہ کہنے لگیں: پھر وہ مجھے منع کیوں نہیں
کرتے؟ انھوں نے کہا: انھیں صرف رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہی آپ
کو منع کرنے سے روکے ہوئے ہے:

«لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ» [بخاری: ۹۰۰]
”تم اللہ کی بندویوں کو اللہ کی مساجد سے منع نہ کرو۔“

حدیث رسول کی معارضت پر صحابہ کرام کا شدید رد عمل: ①..... سالم
بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے
یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ إِلَيْهَا»

”اگر تمہاری خواتین تم سے مساجد جانے کی اجازت طلب
کریں تو تم انہیں جانے سے منع نہ کیا کرو۔“

یہ حدیث سن کر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے بلال بن
عبد اللہ کہنے لگے: وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ ”اللہ کی قسم! ہم انہیں ضرور منع کریں
گے۔“ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں
شدید برا بھلا کہا، اتنا برا بھلا کہ میں نے آج تک انہیں کسی کو اتنا برا بھلا
کہتے ہوئے نہیں سنا۔ اور انھوں نے فرمایا:

أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَقُولُ: وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ

[مسلم: ۴۴۲]

”میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم
کہتے ہو، اللہ کی قسم! ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔“

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے
رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی:

«إِذْ دُنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ»

”عورتوں کو رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت دے
دیا کرو۔“

تو ان کے ایک بیٹے نے، جس کا نام واقعہ تھا کہا: تب تو وہ اسے
خرابی کا ذریعہ بنالیں گی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے سینے پر
مارا اور فرمایا:

④.....قرآن وحدیث پر عمل کرنا:

رسول اللہ ﷺ کا امت پر ساتواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی وفات کے وقت جو دو چیزیں امت کے لیے چھوڑ کر گئے انھیں خوب پڑھا جائے اور انہی دو چیزوں سے اسلامی تعلیمات اخذ کی جائیں۔ اور وہ ہیں: قرآن مجید اور صحیح اور ثابت شدہ سنت مبارکہ۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«تَرَكَتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرُدَّا عَلَى الْحَوْضِ»

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انھیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔“

[صحیح الجامع: ۲۹۳۷]

لہذا ہر عام و خاص پر واجب ہے کہ وہ دین کے احکام براہ راست قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے حاصل کرے، یوں وہ گمراہی سے بچ جائے گا اور صراطِ مستقیم پر چلتا رہے گا۔

⑤.....کثرت سے درود شریف:

امت پر آنحضور ﷺ کا آٹھواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا جائے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

[الاحزاب: ۵۶]

”بے شک اللہ تعالیٰ (فرشتوں کے سامنے) نبی کی تعریف کرتا ہے اور اس کے فرشتے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔“

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں، ہم درود

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر چہ اپنی بیویوں کا مسجد میں جانا ناپسند کرتے تھے لیکن وہ انھیں منع نہیں کرتے تھے، صرف اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سن رکھی تھی۔

⑥.....عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک رشتہ دار کو دیکھا کہ وہ پتھر یا کنکریاں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے تو انھوں نے کہا: ایسا مت کرو۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے (یا انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّهُ لَا يَصَادُ بِهِ صَيْدٌ، وَلَا يُنْكَأُ بِهِ عَدُوٌّ، وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَقْفَأُ الْعَيْنَ»

”اس طرح نہ شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے دشمن پر غلبہ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کے دانت توڑ دیں اور کسی کی آنکھ پھوڑ دیں۔“

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسی آدمی کو پھر دیکھا کہ وہ اسی طرح کنکریاں یا پتھر اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے تو وہ کہنے لگے:

أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ أَوْ كَرِهِ الْخَذْفَ وَأَنْتَ تَخَذِفُ؟ لَا أَكَلِمَتِكَ كَذَا وَكَذَا۔

”میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے یا اسے ناپسند کیا ہے اور تم پھر بھی اسی طرح کنکریاں پھینک رہے ہو۔ میں تم سے اتنا عرصہ بات نہیں کروں گا۔“

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: لَا أَكَلِمَتِكَ أَبَدًا ”میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔“

[بخاری: ۵۴۷۹، مسلم: ۱۹۵۴]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حدیث رسول ﷺ کا احترام کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے، آمین۔

کیسے بھیجیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم یوں کہا کرو:

« اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ، وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ » [بخاری: ۳۳۷۰]

اور سب سے افضل درود یہی درود ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا تھا۔ اور درود کے سب سے زیادہ بابرکت الفاظ بھی وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اپنی زبان مبارک سے نکلے۔ کیوں کہ آپ ﷺ وحی کے بغیر نہیں بولتے تھے۔

اور درود بھیجنے کی فضیلت میں کئی احادیث ثابت ہیں، یہاں ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں:

①..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا »

[مسلم: ۴۰۹]

”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔“

②..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ خَطِيئَاتٍ، وَرَفَعَ عَشْرَ دَرَجَاتٍ »

[صحیح الجامع: ۶۳۵۹]

”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے۔“

③..... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ صَلَّى عَلَيَّ حِينَ يُصْبِحُ عَشْرًا، وَحِينَ يُمَسِّي عَشْرًا، أَدْرَكْتُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

[صحیح الجامع: ۶۳۵۷]

”جو آدمی صبح کے وقت دس مرتبہ اور شام کے وقت بھی دس مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔“

لہذا درود شریف جس قدر ہو سکے زیادہ پڑھنا چاہیے۔

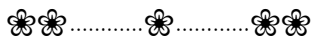
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ پر زیادہ درود پڑھتا ہوں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں آپ پر کتنا درود پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ» ”جتنا چاہو“ میں نے کہا: چوتھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ”جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“ میں نے کہا: آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ”جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“ میں نے کہا: دو تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ”جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“ میں نے کہا: میں آپ پر درود ہی پڑھتا رہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا تَكْفَى هَمَّكَ، وَيُعْفِرُ لَكَ ذَنْبَكَ » [ترمذی:

۲۴۵۷۔ وصححه الألبانی]

”تب آپ کی پریشانی دور کرنے کے لیے یہ کافی ہوگا اور آپ کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کے تمام حقوق ادا کرنے، آپ کی اطاعت کرنے اور آپ سے سچی محبت کرنے کی توفیق دے۔ اور روز قیامت ہمیں آپ ﷺ کی شفاعت اور آپ کے ہاتھوں حوض کوثر کا پانی نصیب کرے، آمین۔



اسلام دہشت گردی نہیں سکھاتا

محمد خالد سیف

کفر کرے، تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔“
اسلام میں ظلم و ستم کی کسی طرح کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام نے تو مسلمانوں کو واضح طور پر یہ تعلیم دی ہے کہ کسی قوم کی عداوت و دشمنی بھی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرنے لگو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾
”اے ایمان والو! اللہ کے لیے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب

اعمال سے خبردار ہے۔“ [المائدہ: ۸۰]

اسلام تخریب کاری، دہشت گردی یا معصوم انسانوں کے قتل و غارت کی کس طرح اجازت دے سکتا ہے کہ اس نے تو انسانیت کے احترام، تقدس اور عظمت کا یہ تصور دیا ہے کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کے قتل اور ایک انسان کی جان بچانا، ساری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ [المائدہ: ۳۲]

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام

حالات کی یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ اسلام جو امن و سلامتی کا دین ہے اور دنیا کو امن، چین، سکون اور اطمینان سے بھر دینے کے لیے آیا ہے، دنیا کے بڑے بڑے دہشت گردوں نے اپنی قوت و طاقت کے سہارے، اسے اور اس کے ماننے والوں ہی کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف عالمی میڈیا پر پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دہشت گردی کے واقعات میں بعض مسلمان ملوث رہے ہیں۔ لیکن اسلام کے معنی ہی اطاعت و سپردگی اور امن و سلامتی کے ہیں۔ لہذا مسلمان اپنے بنیادی نظریہ عمل کے مطابق جہاں اطاعت الہی کا نمونہ ہیں، وہاں دنیا کے لیے امن و سلامتی کے پیکر بھی ہیں۔ قرآن مجید میں اسلام کی حکومت کو امن کی حکومت قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا اٰمَنَّا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [النور: ۵۵]

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائیدار کر دے گا اور خوف کے بعد انھیں امن بخشنے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد

انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔“

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ نے انسانیت کے ساتھ جس طرح محبت و شفقت اور رحمت کا درس دیا ہے، وہ آپ کے حسب ذیل ارشادات سے واضح ہے:

①..... خبردار جس نے ذمی کا فرپر ظلم کیا یا اسے نقصان پہنچایا، اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیا یا اس کی کوئی تھوڑی سی چیز بھی اس کی رضا کے بغیر لی، تو کل قیامت کے دن میں ایسے شخص سے جھگڑوں گا۔ [امام ابوداؤد، السنن، الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمة: ۳۰۵۲]

②..... اسلام میں سختی اور تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں۔

[امام ابن ماجہ، السنن، الاحکام، باب من بنی: ۲۳۴]

③..... جو کسی جاندار (انسان یا حیوان) کی شکل و صورت بگاڑے، اس پر لعنت ہے۔ [امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الذبائح والصيد، باب ما یکره من المثلة، حدیث: ۵۵۱۵]

④..... زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والوں پر رحم فرمائے گا۔

[امام ابوداؤد، السنن، الادب، باب فی الرحمة: ۴۹۴۱]

⑤..... ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا سبب ہوگا۔ [امام بخاری، الجامع الصحیح، المظالم، ظلمات يوم القيامة: ۲۴۴۷]

⑥..... ایک عورت جہنم میں گئی صرف ایک بلی کی وجہ سے، جسے اس نے باندھے رکھا، بلی کو نہ خود کھانے کے لیے کوئی چیز دی اور نہ اُسے چھوڑا کہ زمین کا گرا پڑا جو چیز ملتی، اُسے کھا لیتی۔ [امام بخاری، الجامع الصحیح، بدا الخلق، باب اذا دفع: ۳۳۱۸]

اسی طرح رحمۃ للعالمین ﷺ کے بے شمار ارشادات کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات میں انسانی زندگی کے لیے امن و آشتی، رحمت و شفقت اور صلح و سلامتی کی ضمانت ہے۔

اسلام دین امن، تاریخ کی روشنی میں:

اسلام امن و آشتی کا دین ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات کریمہ اور

احادیث مبارک سے واضح ہو رہا ہے۔ اسی طرح اسلامی تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے صلح و سلامتی اور امن و آشتی ہی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ تاریخ اسلام سے چند شاہد پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے تمام غزوات اور سرایا کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفار کے جارحانہ رویوں کے جواب میں تھے۔

مشرکین مکہ، یہود اور نصاریٰ سے آپ نے جس قدر جنگیں کیں، وہ ان کی جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے تھیں۔ شام کے سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کی جارحانہ کارروائیوں کے انسداد ہی کے لیے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ روانہ فرمایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر شریل بن عمر غسانی کے پاس بھیجا، اس نے آپ کے اس قاصد کو جب قتل کر دیا تو اس کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے آنحضرت ﷺ نے جنگی مہم کا پروگرام بنایا تھا۔

اسی طرح جب شام کی سرحد پر دشمنوں کی فوجوں کے جمع ہونے اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبریں عام ہو گئیں، تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دفاع کا اہتمام فرمایا، الغرض آنحضرت ﷺ کے تمام غزوات اور سرایا دشمنوں کی جارحانہ کارروائیوں کے جواب میں تھے اور ان میں فریقین کا جانی نقصان اس قدر کم ہوا کہ اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے واضح ہے:

نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول	کل
مسلمان	۱	۱۲۷	۲۵۹	۳۸۷
مخالف	۶۵۶۳	---	۲۵۹	۷۳۲۳
میزان	۶۵۶۵	۱۲۷	۹۱۸	۷۷۱۰

جب کہ دوسری طرف دیگر اقوام کی لڑائیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کروڑوں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ مثلاً ”مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں، یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا، ان کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے۔ جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ”اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن“ میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکت نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے، جو عیسائیوں کے ہاتھوں سے عیسائیوں کی ہوئی

تھی۔ اکیلی سلطنت سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں سے تیس ہزار آدمی زندہ آگ میں جلائے گئے تھے۔“

[قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، ج: ۲، ص: ۲۱۹، ۲۲۱]

آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی امن و سلامتی کے مشن کو جاری رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے، آپ نے فرمایا:

”ایہا الناس قد ولیت أمرکم ولست بخیرکم،

ایہا الناس انما أنا متبع ولست بمبتدع، فان

احسنت فأعینونی، وان زغت فقومونی، وان

اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ له بحقه وان

أضعفکم عندی القوی حتی اخذ منه الحق۔“

[الطبقات الکبریٰ، ج: ۳، ص: ۱۸۲، ۱۸۳۔ البدایہ

والنہایہ، ج: ۵، ص: ۲۴۸]

”لوگو! مجھے تمہارا حاکم بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں

ہوں، لوگو! میں تم (سنت) ہوں، بدعتی نہیں ہوں، اگر میں

امور و معاملات کو اچھے طریقے سے انجام دوں تو میری مدد کرو اور

اگر میں بھٹک جاؤں، تو مجھے سیدھا کر دو، تم میں سے جو طاقتور

ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک میں اس سے حق

وصول نہ کر لوں اور جو تم میں سب سے کمزور ہے، وہ میرے نزدیک

بہت طاقتور ہے، جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں۔“

مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز کے بغیر امن و امان اور عدل و انصاف

قائم کرنے کے لیے یہ آپ کی باقاعدہ طے شدہ پالیسی تھی جس کی وجہ

سے معاشرہ امن، چین اور سکون کا گہوارہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

جب ملک شام کی طرف ایک جہادی لشکر روانہ کیا تو اپنی اسی پالیسی اور

اسلامی تعلیمات کے مطابق اسے یہ نصیحت فرمائی:

”عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ

کاٹنا، بستیاں ویران نہ کرنا، کوئی بکری یا اونٹ کھانے کے سوا

ذبح نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، خیانت نہ کرنا اور

بزدلی نہ دکھانا۔“ [الموطا، کتاب الجہاد، باب النہی عن قتل

النساء والولدان فی الغزو]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عدل تو ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا

ہے۔ یہاں ہم ان چند معاہدات کو بطور مثال پیش کریں گے، جو مختلف

ممالک کی فتح کے وقت آپ نے ان کے باشندوں کے ساتھ کیے تھے۔

ان معاہدات کے مطالعہ سے جہاں اس بات کی تصدیق ہوگی کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سکونت پذیر غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی

عدل و انصاف کا معاملہ کیا، جس سے معاشرہ امن و آشتی کا ایسا گہوارہ بن

گیا کہ جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہاں اس بات پر غور

کرنے کا بھی موقع ملے گا کہ کیا یورپ نے بایں ہمہ دعویٰ تہذیب اس قسم

کے حقوق کبھی غیر قوم کو دیئے ہیں اور یا درہے کہ ہر قسم کی رعایا کو مکمل

حقوق دینے ہی سے معاشرہ میں امن و سلامتی کا فروغ ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے معاہدات میں سے بیت المقدس کا وہ

معاہدہ بہت مشہور ہے، جو خود آپ کی موجودگی میں اور آپ ہی کے الفاظ

میں لکھا گیا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

”یہ ہے وہ امان جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اہل

ایلیا کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست،

بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر

کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے

جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا

جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے

گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان

میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ

یہودی نہیں رہیں گے، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی

طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں

سے جو شہر سے نکل جائے گا، اس کی جان اور مال کو امن ہے۔

حتیٰ کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا پسند

کرے تو اس کو بھی امان ہے۔ البتہ اسے جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا

والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے

ساتھ جانا چاہے، تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے، اس پر اللہ کا، اس کے رسول کا اور مومنوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر کردہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور یہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔“

[تاریخ الرسل والملوک، ج: ۳، ص: ۴۳۴]

دوسری طرف جب ۱۰۹۹ء میں اسی بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کیا تو

”مفتوح و مغلوب مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے وہ برتاؤ کیا کہ الامان والحفیظ۔ شہر کے گلی کوچوں میں کشتوں کے پستے لگ گئے، بے دست و پا مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، انھیں آگ میں جلایا گیا اور مسجد اقصیٰ کی چھت اور بنیادوں پر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔“ [صلاح الدین ایوبی، ص: ۹۸]

اور پھر اسی بیت المقدس کو جب دوبارہ صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تو

”کسی عیسائی (غیر مقاتل) کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی گئی اور ہلکا سائیکس (جزیہ) لگانے کے بعد سب کو مذہبی آزادی دے دی گئی۔ دوران جنگ عیسائیوں کا سپہ سالار رچرڈ اول بیمار ہوا، تو صلاح الدین ایوبی اسے کھانا، پھل اور دیگر مفرحات بھیجتا رہا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس نوع کے اور بھی بہت سے معاہدات معروف ہیں۔ آپ نے اپنی وفات کے قریب اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے ایک مفصل وصیت بھی لکھوائی تھی، اس وصیت کو محدثین میں سے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام بیہقی کے علاوہ بہت سے مؤرخین نے بھی ذکر کیا ہے، اس وصیت کا آخری فقرہ یہ ہے:

او صیہ بدمۃ اللہ -

[الجامع الصحیح، کتاب الجنائز: ۲۲۳]

میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، جن کو اللہ اور ان کے رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے کیا گیا عہد پورا کیا جائے

اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

خلفائے راشدین آنحضرت ﷺ کے صحیح جانشین تھے۔ انھوں نے ایسا پر امن ماحول قائم کیا، جسے عالمی تاریخ میں ایک مثالی حیثیت حاصل ہے۔ اس بارے میں مشہور مغربی مؤرخ ڈاکٹر گستاوی بان کی شہادت سنئے:

”خلفائے راشدین جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے، وہ ان کی سپہ گری اور اس فن حرب سے مافوق تھی، جسے انھوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا۔ شروع ہی سے انھیں ایسی اقوام سے کام پڑا، جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا، جن کی حکومت میں انھیں بہت زیادہ آسائش تھی۔ مفتوح اقوام کا طریقہ عمل کیا ہونا چاہیے، نہایت صریح طور پر مقرر کر دیا گیا اور خلفائے اسلام نے ملکی اغراض کے مقابل میں ہرگز بزور شمشیر دین حق کو پھیلائے کی کوشش نہیں کی، بلکہ بعض اس کے کہ وہ بہ جبر اپنے دین کی اشاعت کرتے، وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب و رسوم اور اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی اور اس آزادی کے معاوضے میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے، جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے، نہایت ہی کم تھا۔“ [تمدن عرب، ص: ۱۳۱]

اسی طرح ڈاکٹر گستاوی بان نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھا ہے:

”جو سلوک عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے مصریوں کے ساتھ کیا، وہ اس سے کم نہ تھا۔ اس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ پوری مذہب کی آزادی، پورا انصاف بلا رورعایت اور جائیداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور

غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شہنشاہ یونان ان سے وصول کرتے تھے، صرف ایک معمولی سالانہ جزیہ لیا جائے گا، جس کی مقدار فی کس دس روپے تھی۔“ [حوالہ مذکور ص: ۱۳۲]

ڈاکٹر گستاوی بان نے حضرت عمروؓ بن عاص کے بارے میں مزید لکھا ہے:

”جیسا کہ حضرت عمروؓ نے بیت المقدس میں کیا تھا ویسا ہی عمروؓ نے بھی عیسائیوں کے ساتھ بہت ہی مہربانی کا سلوک کیا۔ جس وقت قوم قطیفی نے ایک نئے بطریق کی جو عہدہ ان میں ہمیشہ سے چلا آتا تھا، درخواست کی تو عمروؓ نے فوراً وہ درخواست منظور کر لی۔ اس نے مذہب عیسوی کی ہمدردی کو اس درجہ جائز رکھا کہ مسلمانوں کے شہر میں بھی کلیسا تعمیر ہونے کی اجازت دے دی۔“ [حوالہ مذکور ص: ۲۹۲، ۲۹۳]

۱۱ء میں راجا دھرم پال یسویوں کی وجہ سے محمد بن قاسمؓ سندھ پر حملہ آور ہوا اور فتح حاصل کرنے کے بعد تین سال تک اس سرزمین پر قیام پذیر رہا۔ ان تین سالوں میں محمد بن قاسم نے اپنے حسن سلوک سے سندھیوں کو اس حد تک اپنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ وہ اس کی ماتحتی میں اپنے ہی فوجی سرداروں سے لڑنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ تین سال بعد جب محمد بن قاسم عراق واپس جانے لگا تو لوگوں کی اشکبار آنکھیں ان کے اندرونی غم کی غمازی کر رہی تھیں۔ لوگ عرصہ دراز تک اس کی جرأت، نیک سلوک اور پروقا شخصیت کی باتیں کرتے رہے۔

تاریخ کی اس شہادت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کے لیے امن و آشتی، رحمت و شفقت اور سلامتی کی جو تعلیمات دی ہیں، مسلمانوں نے ان تعلیمات کے مطابق عمل کیا اور عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی کیا۔

جہاد اور دہشت گردی:

ابلاغ عامہ میں دہشت گردی کے واقعات کو جہاد کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کا ایک سبب تو دہشت گردی میں ملوث وہ لوگ ہیں جنہوں نے دہشت گردی کو جہاد کا نام دیا ہے اور دوسرے مغرب میں

جہاد کا غلط مفہوم ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے جہاد کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اسلام امن و آشتی اور محبت و سلامتی کا دین ہے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر مسلمانوں پر ظلم ہو تو وہ اسے برداشت کرتے جائیں اور اگر انھیں دہشت گردی کا نشانہ بنایا جائے تو وہ اس کا نشانہ بنتے جائیں۔ اسلام کے امن و سلامتی کے دین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو ظلم نہیں کرنا چاہیے، کسی کا ناحق خون نہیں بہانا چاہیے، معصوم انسانوں کی جان و مال کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچانا چاہیے، جہاں تک ظالم کے ہاتھ کو روکنے کا تعلق ہے تو اسلام بلاشبہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ظالم کا ہاتھ روک دیا جائے اور دہشت گردی کا مقابلہ کیا جائے۔ ظلم و زیادتی، تخریب کاری اور دہشت گردی کے اسی مقابلہ کو اسلامی اصطلاح کے مطابق جہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی جہاد اور دہشت گردی میں فرق یہ ہے کہ جہاد ظلم و زیادتی اور فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے اور اسے روکنے کا نام ہے، جب کہ دہشت گردی فتنہ انگیزی اور ظالمانہ کارروائی ہے۔ جہاد حق کے دفاع اور عدل و انصاف کے قیام کا نام ہے، جب کہ دہشت گردی اندھا دھند قتل و غارت گری اور بے دریغ تباہی و بربادی مچا دینے کا نام ہے۔ دہشت گردی سراسر ایک منفی طرز عمل ہے، جب کہ جہاد ایک مثبت اصول حیات ہے، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی اور انسانیت کا تحفظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد سے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات میں یہ سنہری اصول بھی موجود ہیں:

- ①..... اہل قتال کو بھی آگ میں نہ جلایا جائے۔
- ②..... کسی کو باندھ کر نہ مارا جائے۔
- ③..... قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔
- ④..... لاش کو بگاڑا نہ جائے۔
- ⑤..... سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔
- ⑥..... بدعہدی نہ کی جائے۔

⑥..... راہبوں اور عابدوں کو ستایا نہ جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔

- ⑧..... کوئی پھل دار درخت نکاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔
 ⑨..... آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔
 ⑩..... جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر اصول ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام نے حالت جنگ میں بھی انسانیت کو امن و سلامتی اور حسن سلوک کا پیغام دیا ہے۔ مگرستم طریق یہ ہے کہ آج اسلام کو انتہا پسند دین، جہاد کو دہشت گردی اور مسلمانوں کو دہشت گرد اور تخریب کار قرار دیا جا رہا ہے۔ افسوس کہ دنیا کی اس سوچ اور فکر کو اب دگل ہمارے حالات اور ہمارے اعمال و افعال سے فراہم ہو رہا ہے۔ دشمنوں کے اس غلیظ پروپیگنڈے کے مقابلہ کے لیے ہمیں سب سے پہلے اپنے حالات کو سنوارنا اور اپنے افعال و اعمال کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں سب سے پہلے خود وطن عزیز سے ہر قسم کی دہشت گردی کو ختم کر کے، اسے امن و سکون کا گہوارا بنانا اور تعمیر و ترقی کی شاہراہ پر چلانا ہوگا۔

اسلام اور حراہ:

جو شخص زمین میں فتنہ و فساد برپا کرے، ڈکیتی و زہری اور قتل و غارت کا بازار گرم کرے اور اپنے ان مذموم افعال کے ذریعہ امن و امان کو ختم کر کے خوف و دہشت کی فضا پیدا کرے۔ تو اس قسم کی صورت حال کو قرآن مجید میں حراہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ انسانی معاشرے کے خلاف ایک سنگین جرم ہے۔ لہذا اسلام میں اس کی سزا بھی سنگین ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ جِزَاؤُ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [المائدة: ۳۳]

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے

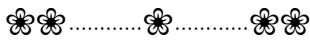
نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب ہے۔“

قرآن مجید کی حراہ کی یہ اصطلاح اپنے عموم کی وجہ سے دہشت گردی کی اصطلاح سے زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ کیوں کہ یہ خوف و دہشت، ظلم و ستم، قتل و غارت، ڈکیتی و زہری اور فتنہ و فساد کی تمام صورتوں کو محیط ہے۔ خواہ ان کا ارتکاب سیاسی، ذاتی، انفرادی، اجتماعی اور مادی کسی بھی قسم کے اغراض و مقاصد کی خاطر کیا گیا ہو۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام فتنہ و فساد اور دہشت گردی کا کتنا شدید مخالف ہے۔

داخلی امن و سلامتی اور استحکام کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہ اقدامات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جو آپ نے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف کیے تھے۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امن و امان کی فضا قائم کرنے اور ملک کے داخلی استحکام کے لیے خوارج کے خلاف جو اقدامات کیے تھے، وہ بھی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر حکمران ایسے اقدامات شروع کر دیں، جو اسلامی شریعت کے صریحاً خلاف ہوں یا ملحد و زندیق قسم کے لوگ برسر اقتدار آ کر اسلام کے خلاف معاندانہ اقدامات شروع کر دیں۔ تو پھر رعایا کو ایسے حکمرانوں کے خلاف اقدام کی اجازت ہے۔ مگر یہ اجازت چند سخت شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کی تفصیل فقہ و اسلامی سیاسیات کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ تاہم شریعت اسلامی نہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت دیتی ہے نہ دہشت گردی کی۔

غیر ملکی ابلاغ عامہ اور عالمی رپورٹوں میں عام طور پر اسلام اور دہشت گردی کو لازم و ملزوم اور ہر مسلمان کو دہشت گرد، خاص طور پر تمام مذہبی شعائر نماز، روزہ، داڑھی یعنی مذہبی رحمان کو دہشت گردی ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہ طرز فکر دہشت گردی کے خاتمے کے بجائے اس کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔



ابو شحمہ کا بے اصل واقعہ

محترم مولانا فضل الرحمن بن محمد الازہری (خطیب جامع مسجد مبارک ریلوے روڈ، لاہور)

”اور ابو شحمہ بن عمر بن الخطاب کو شراب پینے اور دوسرے معاملے کی وجہ سے اس کو حد لگائی جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔“
علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ”الفاروق“ ص: ۴۷۹، کے الفاظ ہیں:
ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے بے چارے قضا کر گئے۔

اسی صفحہ کے حاشیہ میں منقول ہے: ابو شحمہ کے قصہ میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے انھوں نے انتقال کیا۔

[دیکھو المعارف، لابن قتیبہ]

یوں ”الفاروق“ میں بھی زنا والی روایت کی نفی کر دی گئی ہے۔
امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب الموضوعات کی ”کتاب المستبشع من الموضوع علی الصحابة“ میں ایک نہیں بلکہ تین روایات کو نقل کرنے کے بعد ان کی اسناد میں احادیث گھڑنے والوں کی نشان دہی کر کے ان کو موضوع یعنی من گھڑت ثابت کیا ہے۔
امام ابن الجوزی نے امام الدارقطنی سے بھی نقل کیا ہے کہ ابو شحمہ پر لگنے والی حد کے بارے میں مجاہد کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت صحیح نہیں۔
شراب والی حد کے بارے میں امام ابن الجوزی کا بیان ہے کہ زبیر بن بکار المتوفی ۲۵۶ھ نے ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عبدالرحمن الاوسط جس کی کنیت ابو شحمہ تھی، مصر میں جہاد کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ایک رات انھوں نے نیند پی لیا۔ جس سے ان کو نشہ ہو گیا۔ صبح وہ امیر لشکر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا، مجھ پر حد لگائیں۔ جب امیر نے حد لگانے سے انکار کیا تو انھوں نے کہا: جب

۴۔ مارچ ۲۰۰۹ء کے نوائے وقت لاہور میں محترم شریف فاروق (پشاور) نے صدر زرداری کے دورہ چین کے حوالے سے اچھی باتیں لکھتے ہوئے ایک ایسا بے اصل واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عدل کو اجاگر کرنے کے لیے رقم کر دیا جس سے نہ صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر کی عزت و عظمت داغدار ہوئی بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت و عقیدت رکھنے والوں کو بھی سخت تکلیف ہوئی۔

محترم شریف صاحب کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو شحمہ پر سراسر بہتان ہے کہ انھوں نے شراب پی کر ایک عورت سے زنا کیا اور اعتراف کرنے پر باپ نے بیٹے کو شرعی حد لگوائی۔ جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ لیکن عدل فاروقی کا بول بالا ہو گیا۔ قصہ کی وہ جھوٹی رنگ آمیزی انھوں نے چھوڑ دی جو قصہ گوئی کے ماہرین نے انتہائی مہارت سے گھڑی۔ پہلا درہ لگنے سے آخری درہ لگنے تک باپ بیٹے میں جو دردناک باتیں ہوئیں اگر ان کا بھی ذکر ہو جاتا تو عدل فاروقی مزید نکھر جاتا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں کوئی سچائی ہوتی تو یہ تمام مستند احادیث اور معتمد توارخ کی کتابوں میں منقول ہوتا اور امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اس کو اپنی کتاب الموضوعات (گھڑی ہوئی) میں نقل کر کے اس کے من گھڑت ہونے کو ثابت نہ کیا ہوتا۔

یہ واقعہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ کی کتاب المعارف میں سند کے بغیر منقول ہے۔

واما ابو شحمہ بن عمر بن الخطاب فضر به فی الحد فی الشراب وفی امر آخر فمات ولا عقب له

باپ کے پاس جاؤں گا تو ان کو بتاؤں گا۔

لہذا امیر لشکر نے اپنے ہی گھر میں ان کو حد لگا دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کو خط لکھا۔ جس میں عبدالرحمن کے ساتھ نرمی کرنے پر ملامت کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیوں نہ کیا جو تم تمام مسلمانوں سے کرتے ہو یعنی اس کو سب کے سامنے حد لگانی تھی۔

عبدالرحمن جب باپ کے پاس آئے تو انھوں نے بیٹے پر حد لگا دی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عبدالرحمن بیمار ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی۔

”الفاروق“ میں ابن قتیبہ کی جو روایت منقول ہے اس میں کوئی وضاحت نہیں کہ ابو شحمہ شراب پی کر باپ کے پاس آئے تھے یا ان کی شکایت ہوئی تھی۔ واقعہ بیان کرنے والے پر لازم تھا کہ وہ ایسی سند کے ساتھ بیان کرتا کہ جس میں کوئی انقطاع نہ ہوتا اور سب راوی ثقہ ہوتے۔ لہذا ابن قتیبہ والی روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

مصر والی روایت بھی درست نہیں۔ کیوں کہ نبیز پینے والے نے اس کو حلال سمجھ کر پیا۔ نشہ کے حصول کا قطعاً ارادہ نہ تھا۔ عربوں میں نبیز پینے کا عام رواج تھا۔ جس کو بنانے کی صورت یہ ہوا کرتی کہ پانی بھرے برتن میں کھجوروں یا خشک انگوروں کے چند دانے ڈال دیئے جاتے۔ جب پانی میٹھا ہو جاتا تو اس کو پی لیا جاتا۔ وہ ایک خوش ذائقہ مشروب ہوتا تھا۔ اگر چند روز وہ ویسے ہی پڑا رہتا تو اس میں جوش آ جاتا اور وہ نشہ آور بن جاتا تھا۔ جب کہ شراب بنانے کا طریقہ کچھ اور تھا۔

خیال رہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پانی کی غیر موجودگی میں نبیز سے وضو کر لینا جائز ہے۔ [البدایہ، ج: ۱، ص: ۲۵]

عبدالرحمن نے عام نبیز سمجھ کر پیا لیکن جب اس سے نشہ ہو گیا تو امیر لشکر کو حد لگانے کے لیے خود کہہ دیا۔ جب امیر نے انکار کیا تو باپ سے شکایت کرنے کی دھمکی دے دی۔ جس پر ان کو ان کی خواہش کے مطابق حد لگ گئی۔ باپ کے پاس پہنچنے پر باپ نے ان پر دوبارہ حد لگا دی۔ غلطی امیر لشکر کی تھی لیکن سزا عبدالرحمن کو مل گئی جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

مدینہ والی ایک روایت میں شراب اور زنا کا ذکر ہے۔ دوسری میں صرف شراب کی وجہ سے حد لگنے کا ذکر ہے۔ جب کہ تیسری میں نبیز پر دوہری حد لگانا مذکور ہے اور تینوں میں سے کوئی سند درست نہیں۔ اس سلسلہ میں مروی تمام روایات من گھڑت ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ زنا بالجبر ہوا۔ وہ امیر المؤمنین کے پاس فوراً کیوں نہ گئی۔ بچہ کی پیدائش تک انتظار کیوں کرتی رہی۔ ابو شحمہ اگر شادی شدہ تھے تو ان کو شرع کے مطابق سنگسار کرنے کی بجائے کوڑے کیوں لگائے گئے؟ اصل میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عظیم گھرانے کو بدنام کرنے کی یہ ایک سازش تھی کہ عدل فاروقی کی آڑ میں ان کی اولاد کو بدنام کرو۔

۵۔ مارچ کے نوائے وقت کے کالم سر راہے میں بھی ایک ڈھولچی کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے اصل واقعہ بیان ہوا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں حکم جاری کیا کہ تمام گانے بجانے والے مدینہ سے باہر نکل جائیں، ورنہ سزا ملے گی۔ ایک ڈھولچی قبرستان میں چھپ گیا دو روز وہیں رہا۔ بھوک نے اسے ستایا مگر مجبور تھا۔

آخر اس نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ تیرے بندے نے ہمیں شہر سے نکال دیا ہے۔ اب ہم کیا کریں اور روزی کیسے کمائیں؟ ہمیں گانے بجانے کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا۔ اب میں تجھے ہی ڈھول سنانا ہوں تو ہی مجھے کچھ دے، تاکہ میں کھانا خرید سکوں۔ وہ ڈھول بجا رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الہام ہوا کہ فلاں قبرستان میں ایک شخص چھپا بیٹھا ہے اس کو درہموں کی تھیلی پہنچا دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر تھیلی بھجوا دی اور اس ڈھولچی کا کام بن گیا۔

محترم مجید نظامی صاحب سے درخواست ہے کہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ایسی بہتان بازی پینے واقعات کی اشاعت نہ ہونے دیا کریں۔



دعا کی تاثیر کا سائل ہوں

محترم محمد یونس بصیر ☆

عجلت کی، جب تم نماز پڑھ کر بیٹھو تو اللہ کے شایان شان حمد بیان کرو، مجھ پر درود بھیجو پھر دعا کرو۔“

☆..... پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے سکون کے ساتھ نماز پڑھی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اُس کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجا تو نبی ﷺ نے اسے فرمایا: ”اے نمازی! دعا کر قبول ہوگی۔“

[ترمذی]

حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ [حسن حصین] اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بزرگ نہیں ہے۔ [ابن ماجہ]

ایک اور حدیث میں ہے دعا مانگنے سے عاجز نہ بنو (یعنی دعا مانگنا چھوڑ نہ دو کہ مطلب براری نہیں ہوئی) کیوں کہ کوئی دعا کرتے ہوئے مر نہیں جاتا۔ جو چاہے اس کی دعا مصائب و آلام میں قبول ہو اسے چاہیے کہ وہ آسائش اور فراوانی رزق کے وقت کثرت سے دعا کرتا رہے۔ [ابن حبان] دعا مانگتے وقت نیت کا اخلاص اور رزقِ حلال کا حصول نہایت ضروری ہے۔

بارگاہِ رب العزت میں ان دعاؤں کو پہلے شرف قبولیت دیا جاتا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہو۔ دعا میں حضورِ قلب، اور اللہ کی ذاتِ باری پر یقین کامل لازمی ہے۔ دعا کے الفاظ کو تین بار دہرایا جاسکتا ہے۔

آپ خوشی خوشی اور حسن ظن کے ساتھ سفر کے لیے بغیر کسی خوف و خطر، انتہائی پرسکون حالات میں، بحری جہاز میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے ہمسفروں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہیں،

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں، اس لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیں۔ یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔“

[البقرہ: ۱۸۶، تفسیر و ترجمہ حافظ صلاح الدین یوسف]

”اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔“ [المومن: ۶۰، ایضاً]

احادیث رسول مقبول ﷺ میں بھی دعا کی اہمیت، افادیت اور بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ایک حدیث مبارکہ میں تو دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”دعا مومن کا ہتھیار اور دین کا ستون بھی، اور زمین و آسمان کا نور بھی۔“ [حاکم]

ایک حدیث مبارکہ میں سوال اور دعا کا ایک فرق بتایا گیا ہے کہ سوال کا نتیجہ عطا اور دعا کا نتیجہ قبولیت ہوتا ہے۔ [ابوداؤد]

”اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہیں دعا کی قبولیت کا یقین ہو۔“ [ترمذی]

☆..... حضرت فضالہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا کی: اللہم اغفر لی وارحمی ”اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔“ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اے نمازی! تم نے

☆..... مصنف کتاب ”صحیح حرم“ واپڈا ٹاؤن، لاہور

خوف و ہراس اور سراسیمگی کا کوئی شائبہ تک کسی چہرے پر نہیں آتا تھا کہ یکا یک جہاز کا کپتان ہنگامی طور پر اعلان کرتا ہے کہ ہم اس وقت طوفان باد و باران اور تند و تیز ہواؤں کے جھکڑوں میں پھنس چکے ہیں۔ سمندر کی بھری ہوئی موجوں اور قطار در قطار اٹھتی ہوئی لہروں سے نبرد آزما ہیں۔ جہاز سینہ بحر پر ریٹکتے ہوئے اور ہچکولے کھاتے ہوئے سوائے منزل رواں ہے۔

جہاز کے عملے کا اعلان سنتے ہی سب مسافروں نے یک زبان ہو کر اللہ کو پکارا کہ اے بحر و بر ارض و سماء کے مالک ہمیں غرق ہونے سے بچالے۔ تمام مسافروں پر خوف سے رقت طاری اور آنکھوں سے گریہ جاری تھا۔ بلا تیز ملک و قوم اور مذہب و ملت سب مسافران جہاز کی زبان پر بار بار ایک ہی دعا ایک ہی پکار اور ایک ہی التجا ہے کہ اے خدائے بزرگ و برتر ہمیں زندگی بخش دے۔

لا چاری و بے قراری، پریشان حالی اور خوف و ڈر میں مانگی گئی اس دعا کو رب کریم نے مقبولیت بخشی۔ طوفان ٹل گیا اور سب مسافر اپنی منزل پر بحفاظت پہنچ گئے۔

جب فضا میں ہر طرف امن و سکون کا عالم اور سناٹا چھایا ہوا ہوا اور پوری بستی کے لوگ لیٹائے شب کی آغوش میں میٹھی نیند سو رہے ہوں، آپ شب خیزی کے لیے اٹھیے۔

عبادت سحری را مکن نظیری کم کہ ہرچہ کرد دعا ہائے صبحگاہی کرد بارگاہ بے نیاز میں اپنا دامن پھیلائیے۔ اپنی لغزشوں، خطاؤں، گناہوں اور سیاہ کاریوں کی طویل فہرست کو تصور میں لائیے، پڑھیے اور غور سے دیکھیے۔ ان شاء اللہ آن واحد میں آپ کو اپنی نافرمانیوں، بغاوتوں، سرکشیوں اور اعراض و انکار کی ساری کارستانیوں کا پتا چل جائے گا۔ اقلیم سخن کے تاجدار غالب۔

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد مجھ سے میرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ بے قراری، بے بسی اور لا چاری کی اس کیفیت میں اپنی جبین نیاز

کو خاک ارضی پر رکھے، جذب دروں، خشوع و خضوع اور پورے سوز و گداز کے ساتھ گڑ گڑائیے۔ آنکھوں میں نم ہوا و گردن میں خم ہوا اور یہ وجود فانی خشیث الہی سے لرزہ بر اندام ہو۔ پھر زاری و فروتنی کے دریا میں ڈوب کر اپنے مالک و خالق اور رب سے لو لگائیے، ذات بے ہمتا سے جی بھر کر باتیں کیجیے۔ جن کا رنگ عجز و مسکنت، خاکساری و لا چاری، فقیری اور در یوزہ گری میں ڈوبا ہوا ہو۔

آپ کی یہ فریاد، گڑ گڑاہٹ، ذلت و مسکنت، التجاء و فریاد، دعا، گناہوں کی پکار کی خلش اور نالوں کی تپش، بلند آسمانوں کو چیرتی ہوئی نہایت سرعت کے ساتھ حریم ذات تک جا پہنچے گی اور رحمت خداوندی جوش میں آ کر آپ کی التجاؤں، صداؤں اور تمنائوں کو شرف قبولیت بخشے گی۔

دعا کی قبولیت کے لیے رات کا سناٹا اور ماحول کا سازگار ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جس حال میں، اور جہاں کہیں بھی آپ ہوں اگر آپ پر کوئی افتاد یا مصیبت آن پڑی ہے تو اسی لحاظ رب العرش العظیم کو پکاریے۔ ذات باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے یہاں تک کہ وہ ذات کبریا ہمارے شرک سے بھی قریب ہے۔

اگر آپ صحرا نوردی کرتے ہوئے کسی دشت میں یا ریگستان میں بادِ سموم کے طوفانی بگولوں میں پھنس گئے ہیں تو اس قابل رحم حالت، بے کسی اور گم گشتہ راہی میں اپنے رب کریم سے راہنمائی طلب کیجیے۔ وہ ذات رحیم و کریم آپ کو ریگستان کے عذاب سے نجات دلائے گی۔ اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام ایک تو سمندر میں اور دوسرے مچھلی کے پیٹ میں، ظلمت و در ظلمت بے بسی کی انتہا اور مجبوری کی یہ حالت شاید ہی چشم فلک نے کبھی دیکھی ہو؟ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں اور بحر بے کنار کی پناہیوں میں، اور اس پر مزید مچھلی کے پیٹ میں اور اندھیروں میں گم، ایک ”اسیرِ ناتواں علیہ السلام“ اپنے مالک و خالق اور رب کو یوں پکارتا ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ .

”الہی! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ پاک ہیں، بلاشبہ

میں ہی ظالم ہوں۔“

دُکھی دل کی پکار اور فریاد کی یہ گونج اسی ساعت بارگاہِ ذوالجلال تک پہنچ گئی۔ اور پھیلی نے اللہ کے حکم پر یہ مقدس وجود اور عظیم امانت ساحلِ سمندر کے حوالے کی۔

سید البشر ﷺ نبی اکرم (فداہ ابی وامی) بدر کے میدان میں جب کہ حق و باطل کا پہلا معرکہ اور خیر و شر کی پہلی آویزش نیکی اور بدی کی پہلی جنگ کا آغاز ہونے ہی والا تھا کہ فخرِ موجودات سید البشر ﷺ نے اپنا مقدس سر اور نورانی پیشانی کو بدر کی خاک پر رکھ کر اللہ رب العزت سے فریاد کناں ہوئے: ”اے رب ہم کفر کے مقابلے میں تھوڑے ہیں ہماری مدد کر اور ہمیں فتح نصیب کر۔ آج اگر ہم مٹ گئے تو دنیا میں تیرا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔“

بارگاہِ اقدس میں یہ پکار قبول ہوئی اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے خلاف عظیم فتح نصیب ہوئی۔

بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ایک چھوٹی سی لغزش پر جنت سے نکال دیے گئے۔ میاں بیوی آدم اور حوا علیہما السلام دونوں میں جدائی و فراق کی وسیع خلیج حائل ہو گئی۔ میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت پر حضرت آدم اور سیدہ حوا علیہما السلام نے اپنے رب کو پکارا، اپنی خطا کی معافی طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو معاف فرمادیا۔

سیدنا زکریا علیہ السلام جب عالمِ ضعیفی کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے تو ایک رات کے پہلے پہر ”محراب“ میں کھڑے اللہ سے لو لگائے ہوئے بڑی حسرت کے ساتھ بیٹے کی خواہش کا اظہار کچھ اس والہانہ انداز میں کیا کہ جواباً اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے ان کو بیٹے (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کی خوش خبری دی۔

جد الانبیاء حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہما السلام جب خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھارہ تھے گرمی کی حدت اور دھوپ کی شدت سے ہر چیز جھلسی جا رہی تھی۔ باپ اور بیٹا علیہما السلام دونوں پسینہ سے شرابور اور مشقت سے چور چور تھے۔

اس بلد مقدس میں آپ دونوں نے جو بھی دعا کی اور جو کچھ مانگا

ان کو ملا اور اس کے باسیوں کو ان کی پکار پر مل رہا ہے اور قیامت تک ملتا رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

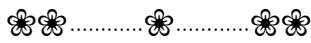
الغرض جب کبھی کوئی مظلوم انسان یا خطا کار و ناجنابار حالتِ محرومی، ناگہانی مصیبت و وبائی مرض اور حادثاتی طور پر پوری طرح مجروح ہو جاتا ہے اور تمام ظاہری اسباب اور مالی وسائل مدد کرنے سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ تو پھر حالات کی زد میں آیا ہوا یہ مجبور، بے سہارا اور لاچار انسان اللہ رب العالمین کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتا ہے اور پکارتا ہے کہ اے تمام جہانوں کے رب میں تیری پناہ میں آتا ہوں اور فریاد بلب ہوں تو میری مدد کر، مجھے سیدھا راستہ دکھا اور حالات کی ستم کاریوں سے محفوظ رکھ۔ تو صاحب کن فیکون ہے، مالک الملک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھے مصیبتوں، دکھوں، بیماریوں، ناگہانی آفتوں اور شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھ۔

تو ہی اولاد بخشتا ہے تو ہی موت و حیات کا مالک ہے تو ہی رزق میں برکت ڈالتا ہے تو ہی روزِ جزا کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ بے شک تیرے سوا میرا کوئی پرسانِ حال اور مددگار نہیں۔ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں: ایک صوفی بزرگ شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

در بلا یاری مخواه از ہیچ کس
زانکہ نبود جز خدا فریاد رس
تیرا کوئی شریک اور ثانی نہیں میری دعاؤں کو قبول کر، التجاؤں کو منظور کر، خطاؤں کو معاف فرما اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی کر، تو بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ میں اپنی لغزشوں اور سیہ کاریوں کا اعتراف اور تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں۔

مردِ قلندر حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے میرے جذبات، وارداتِ قلبی اور وجدانی کیفیات کی عکاسی کچھ اس طرح کی ہے:

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے



تعارف ”تعلیماتِ مجددیہ“

از قلم، حضرت مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمۃ اللہ علیہ

”تعلیماتِ مجددیہ“ کا مختصر تعارف امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا بہترین خلاصہ دعوت و اصلاح کے لیے یہ شاندار تحفہ ہے۔ اس کا ہر عنوان ہی علمی اور دعوتی ہے۔ اخبار کے مختصر صفحات اجازت نہیں دیتے کہ تفصیل سے ذکر کیے جائیں کہ وہ چودہ صفحات پر مشتمل ہیں۔ تاہم اس کے ابواب بالاختصار کچھ اس طرح ہیں:

..... افتتاحیہ: پیش لفظ، از مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمۃ اللہ علیہ (جو آپ نے ملاحظہ فرمایا)

تعارف: ملک حسن علی جامعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، از مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب

باب ①: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف۔ ملک کی سیاسی حالت۔ حضرت مجدد کا مقام اور ان کا عظیم الشان کام وغیرہ

باب ②: حضرت مجدد کا طریقہ تبلیغ باب ③: معرکہ توحید و شرک باب ④: معرکہ سنت و بدعت

باب ⑤: حضرت مجدد کی عقائد اور احکام اسلام کی حکیمانہ توضیح باب ⑥: اصلاح و تجدید تصوف

باب ⑦: موازنہ شریعت و تصوف باب ⑧: غلط تصوف کی اصلاح اور غلط رویوں کی انتباہ

باب ⑨: شیخ مجدد کے اور ادو وظائف باب ⑩: نوادرات ادب و حکمت و نصائح

باب ⑪: حضرت مجدد کا فقہی مسلک اور عظمت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وصلى الله على النبي وعلى آله وصحبه اجمعين -

[مولانا عمر فاروق السعیدی]

سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تمہیں مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھیجا جائے گا۔ اور میں ان کی عظمت کے جذبات اپنے دل میں جمائے آگے بڑھ رہا تھا کہ شاید تیسرے ہی سال مولانا موصوف کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا۔ حضرت الاستاذ نے نماز جمعہ کے بعد آپ کا غائبانہ جنازہ پڑھایا، اور میری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں جو آج تک تازہ ہیں۔

مولانا کی تحریر انتہائی موثوق، باوقار اور علمی نکات سے بھرپور ہوتی ہے۔ آپ کی یہ درج ذیل کتب ان کا صدقہ جاریہ اور ہم ایسے کوتاہ طالب علموں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اور ان کی چاشنی ذوق مطالعہ کو اور زیادہ مہمیز دیتی ہے۔

مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی (۱۹۶۸ء) پاکستان میں اصحاب الحدیث کے قافلہ سالار اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں علم، عمل، دعوت، تدریس، تصنیف اور تنظیم کے سب ہی میدانوں میں ایک منفرد اور نابغہ شخصیت تھے، رحمۃ اللہ علیہ، اللہ کے اس ولی سے راقم الحروف کو ایک خاص قلبی اور روحانی تعلق رہا ہے، اور آپ کی تحریرات سے ہر بار نیا ہی لطف لیا ہے۔

براہ راست آنجناب کی زیارت اور آپ سے استفادہ شاید میری قسمت میں نہیں تھا۔ مگر آپ سے محبت کی بنیاد یہ ہے کہ ۱۹۶۶ء میں جب مجھے جلال پور پیر والا (ملتان) میں حضرت الاستاذ مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دارالحدیث میں داخلہ دلوا یا گیا تو والد گرامی مولانا عبدالعزیز

①..... اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ

②..... مسئلہ حیات النبی ﷺ

③..... جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث

④..... تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی

⑤..... حدیث کی تشریحی حیثیت

⑥..... مقام حدیث قرآن کی روشنی میں

⑦..... مسئلہ زیارت قبور

⑧..... مشکوٰۃ المصابیح کا ربع اول ترجمہ وحاشیہ

⑨..... سببہ معالقات ترجمہ وحل لغات

⑩..... رسول اللہ ﷺ کی نماز وغیرہ و دیگر مختلف علمی مقالہ جات

آنجناب کا ایک مقالہ محترمہ سیدہ سعدیہ ارشد صاحبہ (بنت حافظ محمد ارشد صاحب) کے قلم سے دارالحدیث السلفیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ اور یہ مقالہ ۱۹۸۹ء میں ایم اے علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے لیے لکھا گیا ہے۔

درج ذیل سطور میں مولانا سلفی صاحب رحمہ اللہ کی ایک زندہ جاوید تحریر نذر قارئین ہے جو انھوں نے ملک حسن علی جامعی صاحب رحمہ اللہ کی ایک علمی اور عمدہ کتاب ”تعلیمات مجددیہ“ کے پیش لفظ کے طور پر لکھی تھی۔ اور اس تحریر کے پیش کرنے کا باعث وہ فکر ہے جو ایک بار مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ”ہمارے سلف کا ورثہ اس قدر کثیر، وقیع اور عظیم ہے کہ اگر ہم اسے ہی سنبھال لیں تو بہت بڑا کام ہوگا!.....“ کجایہ کہ ہم نئی نئی تصنیفات کرنے لگیں۔“

پیش لفظ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
رَسُوْلِهِ الْخَاتَمِ الْخَاشِعِ وَالْعَاقِبِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰی
اَصْحَابِهِ وَاَتْبَاعِهِ الْحَمَاهُ لِدِيْنِهِ حِمَايَةِ الْكَفِيْلِ
وَالزَّعِيْمِ ۝

سلسلہ نبوت کے کلی طور پر بہر نہج ختم ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے راہنمائی اور ہدایت کی ذمہ داری علمائے حق پر عائد کر دی اور اعلان فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ يَحْمِلُهُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوٌّ لَهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْعَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ ۝

اس علم کی حفاظت کے لیے یکے بعد دیگرے اہل علم پیدا ہوتے رہیں گے جو اہل بدعت کے غلو اور غلط کار لوگوں کی باطل نوازیوں کی مدافعت اور نفی کرتے رہیں گے۔ یعنی امت کی اصلاح اور بدعات کی تردید کا سلسلہ چلتا رہے گا اور امت دین میں رخنہ ڈالنے والوں کی حیلہ سازیوں سے محفوظ رہے گی۔

اس ضمن میں ائمہ تجدید کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ ایک طرف مزاج نبوت اور مقاصد نبوت کو سمجھتے ہیں اور دوسری طرف ان کا ہاتھ امت کی نبض پر ہوتا ہے۔ وہ امت کے امراض اور اس کے علاج کو اپنے مخصوص مقام کے لحاظ سے سمجھتے ہیں۔ علاج میں مرض کی شدت، مریض کے حالات، ہر چیز کو علم الہی کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔ امر بالمعروف میں سب سے بڑی چیز بدعات کی رفتار اور اس کی اصلاح میں مناسب زبان کا استعمال ہے۔ مجدد کی راہ اس معاملہ میں عام علماء سے مختلف ہوتی ہے۔

عام علماء علمی اصطلاحات کی پابندی، مروجہ علوم کی روشنی اور اصول مناظرہ کے زیر سایہ گفتگو فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی فِرَ حُجُوًّا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (انھیں مروجہ علوم اور اپنی مصطلحات پر فخر ہوتا ہے) کی شان ان کے اندازِ بیاں میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن مجدد مقاصد دین کے تحفظ کے بعد مروجہ علوم اور علماء کے رسوم و عوائد سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ اپنی زبان میں بولتا ہے۔ اس کی زبان کی تلخی مروجہ رسوم کے تابع نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا لہجہ وقت اور ضرورت کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے بھی شرک و بدعات کے متعلق ایک زبان استعمال فرمائی اور اپنے وقت کی بدعات کے خلاف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ایک انداز بیان اختیار فرمایا۔ آج کل اور اس وقت کے علماء، علم کی مسندوں پر بیٹھ کر تدریس، شروح، حواشی، امور و مناظرات کا کام کرتے ہیں اور اصلاح کی کوشش فرماتے ہیں۔ لیکن ہوتا

کیا ہے کہ مجدد اپنے ماحول میں ایک ہنگامہ بپا کر دیتا ہے۔ حکومت کے ایوان سے لے کر محراب و منبر کی فضاں اس کی آواز سے لرزتی ہیں۔ پوری فضاء میں ارتعاش ہوتا ہے۔ محکمہ قضاء اور محکمہ افتاء دونوں اس کے تعاقب میں نکلتے ہیں مگر وہ مسکراتا ہوا اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے۔ اس کی آسمانی اور خداوندی آواز میں ایک اثر ہوتا ہے۔ اس اضطراب و ارتعاش کے بعد جب کچھ سکون ہوتا ہے تو اہل دنیا کی زبانیں تلاش حقیقت کے طور پر دریافت کرتی ہیں۔ مَآذَا قَالَ آئِنَا؟ جواب ملتا ہے: قَالُوا الْحَقُّ۔

اس لیے کہ اس کا علم، علوم نبوت کے توسط سے الہی علوم کی صدائے بازگشت ہوتا ہے۔ اس لیے اسے بتدریج وُضِعَ لَهُ الْقُبُولُ فِي الْأَرْضِ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن عام علماء کی اصطلاحی خدمات کے صلہ میں حکومتیں انعامات دیتی ہیں۔ عوام میں عقیدتیں غلو کی حد تک پہنچتی ہیں۔ دنیوی اعزاز، درباری حاضریاں، خطابات و وظائف اور دنیا میں امن و خوش حالی کی زندگی میسر آتی ہے۔

حضرت شیخ احمد بن عبد الاحد بن زین العابدین الفاروقی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۳۲ھ، دسویں صدی کے اواخر ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت کئی قسم کے جمود پائے جاتے تھے۔ جن کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے جرأت مندانہ قدم اٹھایا۔ سیاسی جمود، رسوم و عادات میں مشرکانہ جمود، تصوف میں جمود اور فقہی جمود۔ اکبر اعظم کا انداز ابتدا میں اسلامی تھا۔ اس نے شیخ محمد طاہر پٹوی مولف ”مجمع البحار“ کے سرپرستی اس شرط پر رکھی (ابجد العلوم ص: ۸۹۶) کہ ان کی بجائے بادشاہ خود بدعات کی بیخ کنی کرے گا۔

لیکن عیاش رفقاء اور ملا مبارک کے خانوادے نے اسے برباد کر دیا۔ بدعات کیا مٹیں وہ کفر کو از سر نو واپس لانے میں مشغول ہو گیا۔ ہندومت اور رقص کی ملی جلی رسوم، شاہی خاندان میں پائی جانے لگیں اور اس کا اثر رعایا پر بھی ہوا۔ علماء سے ملا مبارک کا خاندان ایوان شاہی پر قابض تھا۔ اکبر کی لگام علمی طور پر انہی حضرات کے ہاتھ میں تھی اور جب دربار پر قبضہ ملا دو پیازہ ایسے مسخروں اور بیریل ایسے بے دین لوگوں کا ہو

تو دینی بصیرت، تَفَقُّہ، تقویٰ، تدین کہاں سے آئے گا؟ برہمنوں کی نقالی، تیجے، دسویں، چہلم اور گیارہویں اصل دین قرار پاسکتا تھا، جو ہندو رسوم کی ایک صورت ہے۔

شرک کی اصل بنیاد عموماً خالق اور مخلوق کی صفات میں عینیت یا تشابہ رہا ہے جس کا اوتار، حلول، تجسم اور وحدت الوجود نام رکھا گیا۔ مسیحی حضرات نے جب مسیح کی ابنیت کا دعویٰ کیا تو تجسم کی آڑ لی۔ یہاں بھی اسی حلول اور وحدت الوجود کے باطل عقیدہ کو رواج دیا گیا۔ آج ہمارے عوام میں عرب بلا عین اور احمد بلا مہم کی شہرت اسی عقیدے کے برگ و بار ہیں۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ مسلک کے لحاظ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پختہ تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان کی روش میں اس قدر وسعت ہے کہ آج کل حضرات احناف کے دونوں شعبوں، حضرات ”دیوبند“ اور حضرات ”بریلی“ کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ حضرات صوفیہ سے محبت کے ضمن میں حضرات بریلی مجدد صاحب سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ لیکن بدعات کی ترویج کے سلسلہ میں وہ حضرت مجدد کی پروا بھی نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں مذہب کا بالکل ایک نیا تصور ہے۔ جس کے لیے نہ وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صحیح تقلید کرتے ہیں، نہ حضرت مجدد کی اقتداء۔ حضرت مجدد کی وسعت نظر اور وسعت ظرف کا پتا مولف ”الایانہ الجنی“ کے اس بیان سے ملتا ہے:

وَقُلْ مَا تُعْقِبْ بِهِ عَلَيْهِ وَرَدُّ مِنْ قَوْلِهِ وَالْمَسَائِلُ
الْمَعْدُودَاتُ الَّتِي شَدَّدَ بِهَا النِّكَيرَ عَلَيْهِ بَعْضُ أَهْلِ
الْعِلْمِ فَالْحَقُّ أَنَّهُ مُصِيبٌ فِي بَعْضِهَا وَلَكِنَّ تَأْوِيلَ سَائِعٍ
فِي الْبَعْضِ الْآخِرِ وَشَارِكَةٍ فِيهَا غَيْرُهُ مِنْ هَذِهِ
الطَّائِفَةِ مِمَّنْ لَا يُحْصِي كَثْرَةً۔

[الایانہ الجنی، ص: ۶۶]

بہت کم مسائل ایسے ہیں جن پر حضرت مجدد کا تعاقب اور رد کیا گیا ہے اور جن میں بعض اہل علم نے ان کی سخت مخالفت کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ بعض میں مجدد صاحب رحمہ اللہ حق پر ہیں، بعض میں ان کی تاویل

درست ہے اور ان میں علماء کی ایک بڑی اکثریت ان کی ہمنوا اور ان سے متفق ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وَأَجَابَ عَنْ شُبُهَاتِ الْمُتَقَشِّفَةِ وَذَبَّ عَنْهُ أَبُو عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَأَنْعَمَ الثَّنَاءُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَسْرُكْ فِيهِ مَجَالًا لِعَائِبٍ وَلَا مَقَالًا لِرَائِبٍ وَكَفَّاكَ بِهِ إِمَامًا يَشْهَدُ لَا مِثْلَ ۝ [البائع، ص: ۶۵]

اور ایسے نقاد حضرات کے شبہات کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ نے پوری طرح دیا ہے۔ جس کے بعد کسی شک اور عیب جوئی کی گنجائش نہیں رہتی اور یہ کافی ہے کہ ایک امام دوسرے امام کے حق میں شہادت دے رہا ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

وَمِنْهَا أَنَّهُ حَقَّقَ الْفُرْقَ بَيْنَ الْبِدْعَةِ وَالسُّنَّةِ وَأَقْبَسَ الْمُجْتَهِدِينَ وَاسْتَحْصَنَاتِ الْمُتَأَخِّرِينَ وَالتَّعَارُفِ عَنِ الْمَشْهُودِ لَهَا بِالْخَيْرِ وَمَا أَحَدَهُ النَّاسُ فِي الْقُرُونِ الْمُتَأَخَّرَةِ وَتَعَارَفُوهُ فِيمَا بَيْنَهُمْ - فَرَدَّ بِذَلِكَ مَسَائِلَ مِمَّا اسْتَحْصَنَهَا الْمُتَأَخِّرُونَ مِنْ فُقَهَاءِ مَذْهَبِهِ - [البائع الجنبی، ص: ۶۵]

انھوں نے بدعت، سنت اور مجتہدین کے قیاس اور متاخرین کے استحسان میں فرق فرمایا اور قرون خیر اور متاخرین کی بدعات میں جن کو انھوں نے مستحسن سمجھ رکھا تھا، امتیاز فرمایا اور ان مسائل کا رد کیا جنھیں متاخرین فقہائے بدعت حسنہ سمجھتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تحقیق پسندی اور وسعت نظر کا یہ اثر تھا کہ ان کے لُحْت جگر بھی بعض فرعی مسائل میں اختلاف کرتے اور اس کا اظہار کسی تصادم اور مناظرے کے بغیر فرماتے۔ یہی حال حضرت مجدد رحمہ اللہ کے تلامذہ اور مستفیدین کا ہے۔ وہ فرعی مسائل میں بڑی آزادی سے امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ بعض اہم مسائل مختلف فیہ پر اتفاق فرماتے اور اس کے باوجود وہ حنفی کہلانے میں مسرت محسوس فرماتے۔ یہ

اس علمی جہاد کا اثر تھا جو حضرت مجدد رحمہ اللہ نے فقہی جمود کے خلاف فرمایا۔ یہ تذکرہ ابجد العلوم میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تصنیفات مفید ہونے کے علاوہ علمی طور پر بلند پایہ ہیں۔ مکتوبات علم و حکمت کا اتنا مقدس ذخیرہ ہے جس کی نظیر متاخرین کی تصنیفات میں نہیں مل سکتی۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم فرماتے ہیں:

وبالجملہ مکاتیب عالی جناب حضرت مجدد قدس سرہ مالا مال است در رد بدعت وانکار تقسیم آن بسوئے حسنہ وسبہ و طریقہ علیہ و سنی است بر اتباع کتاب وسنت در ظاہر وباطن ونہ پذیرفتن چیزے کہ مخالف ایں ہر دو اصل محکم باشد و ایں مکتوبات اصول عظیم است از برائے وصول منازل معرفت وقبول۔ طالب صادق وسا لک راغب را در ہیج وقیع از اوقات اس مطالعہ آں بے نیازی حاصل نیست۔

”حضرت مجدد رحمہ اللہ کے مکتوبات، رد بدعات سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے بدعت حسنہ اور سبہ کی تقسیم کا انکار کیا ہے۔ ان کا طریقہ ظاہر و باطن میں کتاب وسنت پر مبنی ہے۔ کتاب وسنت کے خلاف وہ کسی چیز کو قبول کرنے کے حق میں نہیں، معرفت وقبول کی منازل تک پہنچنے کے لیے یہ مکتوبات اصول عظیم کا حکم رکھتے ہیں۔ طالب صادق اور سا لک راغب اس کے مطالعے سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔“

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت مجدد کے بعض افکار پر تنقید فرمائی، لیکن محققین کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ خود حضرت شیخ نے بھی اس سے رجوع فرمالیا تھا۔

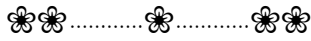
حضرت مجدد رحمہ اللہ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے اپنے وقت کے بہت سے علماء اور ارباب تصوف سے ممتاز رہے۔ قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود اس وقت اور آنے والی نسلوں میں حضرت مجدد رحمہ اللہ اس عزت واحترام سے دیکھے گئے جس کا عشر عشریان کے اقران کو حاصل نہ ہو سکا۔

محترم ملک حسن علی صاحب شکرے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے

مجددیہ کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ مجموعہ ہر گھر میں پہنچے اور ہر مکتب اور ہر لائبریری میں پڑھا جائے۔
شرک خدا پر بدگمانی کا نتیجہ ہے اور بدعت آنحضرت ﷺ فداہ امی وابی سے بدظنی کا اثر۔ یہ دونوں چیزیں ایمان کے لیے مقراض کا حکم رکھتی ہیں۔

تعجب ہے کہ اہل توحید سے ایک طبقہ مداہنت کا شکار ہو رہا ہے۔ وہ عوام کے خوف اور اہل بدعت کی بدزبانی سے بچنے کے لیے حیلے تلاش کر رہا ہے۔ ملک صاحب کی یہ محنت ان بزرگوں کے لیے عبرت کا مقام ہے کہ ایک زمیندار مگر جدید تعلیم کا بہترین واقف اس فرض کو سرانجام دے رہا ہے۔ جو درحقیقت اصحاب منبر و محراب اور ارباب عمامہ کا فرض تھا۔ اللہ تعالیٰ ملک صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے اور بھولے ہوئے بھائیوں کو سمجھنے کی توفیق مرحمت کرے۔

”اس دعا ازمن واز جملہ جہاں آمیں باذ“



سیرت کانفرنس برائے خواتین

۱۳۔ ویں سالانہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر وسیرت کانفرنس برائے خواتین ۲۳/مرچ بروز پیر صبح ۹ تا ۵ بجے شام، جامعہ سلفیہ للبنات اہل حدیث چوک بیگم کوٹ لاہور میں منعقد ہوگی۔ معروف مبلغات کے علاوہ خصوصی خطاب مفسرہ قرآن عظیمہ سکا لرمحترمہ ام عبدالرب کا ہوگا۔ ان شاء اللہ

[مدیرہ جامعہ سلفیہ للبنات بیگم کوٹ لاہور]

دارالحدیث اوکاڑا کی پچاسویں سالانہ کانفرنس

مؤرخہ ۷۔ اپریل ۲۰۰۹ء بروز منگل پچاسویں سالانہ کانفرنس حسب روایات منعقد ہو رہی ہے۔ مولانا منظور احمد صاحب، مولانا سید سبطین شاہ نقوی، مولانا محمد اقبال قصوری، مولانا سیف اللہ ربانی جھنگ و دیگر علمائے کرام خطاب فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ
[عبداللہ یوسف ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ اوکاڑا۔]

[044-2521460]

حضرت مجدد ﷺ کی تصانیف کے ہزار دو ہزار صفحات کو کھگالا اور بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے حضرت کی تعلیمات کو جمع فرمایا۔ یہ ان حضرات کے لیے مقام عبرت ہوگا جو حضرت مجدد کے اسم گرامی کے ساتھ کئی گز لمبے القابات پیوست کرتے ہیں۔ قبر کی زیارت اور عرس کی تقریب میں شمولیت کے لیے سر ہند جاتے ہیں۔ مگر حضرت مجدد کی تعلیمات سے اس قدر بے خبر ہیں کہ وہ ان سچائیوں کا نام ”وہابیت“ رکھ کر، حضرت مجدد ﷺ کو بدنام کرتے اور اپنی سادگی و کم فہمی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

ملک صاحب کے مضامین چٹان، الاعتصام اور دیگر اخبارات میں چھپتے اور نظر سے گزرتے رہے۔ جو توحید خالص، سنت سے محبت، عقیدہ سلف اور ان کے اعمال کا مرقع ہیں۔ اب یہ کتابی صورت میں ”تعلیمات

نئے مضمون نگار حضرات متوجہ ہوں

ہفت روزہ الاعتصام میں اشاعت کے لیے مضامین ارسال کرنے والے مضامین نگار حضرات درج ذیل باتوں کا ضروری خیال کیا کریں:

①..... مضمون خوش خط، صاف ستھرا اور کاغذ کی ایک طرف لکھیں۔

②..... مدلل، حوالہ جات مکمل یعنی قرآن، حدیث، تفسیر اور تاریخ سے حوالہ جات دیتے وقت سورۃ، آیت نمبر، حدیث نمبر اور طبع وغیرہ کا ضرور ذکر کریں۔

③..... با مقصد اور مثبت انداز فکر پنی مضامین ارسال کریں۔

④..... اعلانات اور اشتہارات بھیجنے والے احباب بذریعہ خط اپنے لیٹر پیڈ پر لکھ کر بھیجا کریں۔

⑤..... تقریبات اور جلسوں وغیرہ کی رپورٹیں شائع نہیں کی جائیں گی۔

امید ہے احباب الاعتصام کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں گے۔

[ادارہ]

دین اسلام کی وسعت اور ہماری تنگ نظری

مولانا محمد عبداللہ سرور ☆

نہیں ملی تو انھیں مزید جلال آ گیا۔ وہ ۱۱۔ جولائی ۲۰۰۸ء کو ایک بار پھر روزنامہ نوائے وقت کے ملی ایڈیشن کے صفحات پر نمودار ہوئے اور غائبانہ جنازہ کے موضوع پر مزید روشنی ڈالی۔

اہل علم نے اس بار بھی کوئی توجہ نہ دی۔ جس سے عوام کے تاثرات میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خدشہ لاحق ہونے کا خطرہ محسوس ہوا۔ کیوں کہ جس نے جو چاہا کہہ دیا۔ اس لیے مجبوراً حقیقت حال کی وضاحت ضروری ہو گئی ہے۔

نجاشی رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز جنازہ ادا کرنا ڈاکٹر جلالی بھی تسلیم کرتے ہیں اور نجاشی کے جسد خاکی کے بارے میں مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف میں بیٹھے سات آسمان پار حوض کوثر کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے مدینہ شریف میں کھڑے ہو کر نجاشی رضی اللہ عنہ کے جسم کو دیکھ کر جنازہ پڑھانا کیا بعید تھا۔ [نوائے وقت، ۲۸ مارچ ۲۰۰۷ء]

جب کہ بخاری شریف میں موجود اس حدیث کا ترجمہ یوں ہے:

”اللہ کی قسم! بے شک میں اپنے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔“

[صحیح البخاری: ۱/۱۷۹]

حدیث مبارک کے الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس قسم کی غیر معمولی کیفیت ہر وقت طاری نہیں رہتی تھی اور جب کبھی ایسی صورت حال پیش آتی تھی تو رسول اکرم ﷺ موقع محل کی مناسبت سے اس کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے۔ جیسے ایک مرتبہ صلوٰۃ کسوف ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا ہے۔ تفصیل عربی بخاری شریف کے صفحہ نمبر: ۱/۱۲۴، پر دیکھی جاسکتی ہے۔

موضوع: ”غائبانہ جنازہ“

مقام: سامع ہال، دربار علی ہجویری رضی اللہ عنہ

تاریخ: ۸۔ مارچ ۲۰۰۸ء

تحقیق و تعدیم: ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

زیر اہتمام: ادارہ صراط مستقیم، ضلع لاہور

اس سیمینار میں روزنامہ ”نوائے وقت“ میں ”لاہوریات“ کے کالم نگار علامہ اصغر علی وڑائچ بھی شریک تھے۔ انھوں نے اس ساری کاوش کو بے وقت کی راگنی قرار دیا اور محقق کو مزید مفید مشورے بھی دیئے تاکہ محقق کی تقریر و تحریر میں نکھار پیدا ہو سکے۔ اس ساری تفصیل کے لیے ۱۲ مارچ کے نوائے وقت میں ”لاہوریات“ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

کتنی اچھی بات تھی کہ جلالی صاحب ایک کہنہ مشق بزرگ صحافی کی نصیحت قبول فرماتے۔ اپنی تحقیق و تحریر کے سلسلے میں مزید محنت کرتے۔ لیکن جوانی ہے نا! جس میں انسان کسی کو خاطر میں نہیں لاتا اور من مانی کرتا ہے۔ چنانچہ جلالی صاحب کے جلال پر جمال غالب آنے کی بجائے مزید دو آتشہ ہوا اور ۲۸ مارچ کے نوائے وقت میں ملی ایڈیشن کے صفحے پر خوب چمکا۔ جس کی گھن گرج کا اندازہ مندرجہ ذیل شہ سرخیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

”جواب آں غزل“ ”غائبانہ جنازہ..... دلائل وبراہین کی روشنی میں“

”خلفائے راشدین سمیت کسی صحابی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا گیا۔“ جو کوئی نئی بات نہ تھی۔ اہل علم نے اس بحث میں الجھنا پسند نہیں کیا۔ کیوں کہ ایک عرصے سے تمام مکاتب فکر کے علماء اس مسئلے میں کافی نرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور کسی قسم کے تناؤ کا شکار نہیں رہے۔

لیکن جلالی صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ میری تحریر کو بھی اہمیت

☆..... صدر مدرس دارالعلوم تقویۃ الاسلام، لاہور

ایک دوسری حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے شیطان کو پکڑا پھر مجھے سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ مفصل حدیث بخاری شریف عربی کے صفحہ ۶۶/۱، پر دیکھیں۔

کتب حدیث میں اس قسم کے بہت سارے واقعات موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اکرم ﷺ پر یہ کیفیت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ کیوں کہ قرآن و سنت میں ایسے واقعات کی تعداد بھی کم نہیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ بے حد غم زدہ ہوئے، نقصان بھی اٹھانا پڑا، زخمی بھی ہوئے۔ سورۃ الضحیٰ، حدیث افک (ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ واقعہ) سورۃ تحریم، اور جنگ احد کا دلگرا واقعہ اس کے گواہ ہیں۔

یہ سب واقعات آپ ﷺ کی زندگی کا ناقابل فراموش حصہ ہیں جو کہ مشیت الہی کے مطابق تھے۔ اس لیے ایک واقعے کو دوسرے واقعے سے ملا دینا ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ کے لیے دلیل بنانا علمی تحقیق کے قطعاً خلاف ہے۔

اس کے علاوہ جلالی صاحب کو اس حدیث کا بھی اعتراف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی صف بندی کر کے آپ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی۔ وہ اس حدیث کو بھی اپنی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جسد خاکی کا متبادل قبر بن گئی تھی۔ ان کا یہ دعویٰ کتنا عجیب ہے۔ اس نفس کو کیسے سمجھائیں۔ وہ تو حقیقت کا ادراک ہی نہیں کرنا چاہتا۔ ہمارے لیے مناسب یہی ہے کہ ہم حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں اور نجاشی رضی اللہ عنہ کے لیے ادا کی جانے والی نماز جنازہ کو غائبانہ ہی تسلیم کریں اور بعید از کارتا و یلیں کرنے سے گریز کریں۔

محترم جلالی صاحب اپنے موقف کو مزید مضبوط کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ خلفائے راشدین سمیت کسی صحابی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ [نوائے وقت، ۲۸ مارچ ۲۰۰۸ء]

اس بارے میں ڈاکٹر جلالی صاحب سے گزارش ہے کہ اس قسم کے دعوے کرنا ہم لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔ کیوں کہ ہمارا علم ناقص ہے اور عقل تو بہت ہی ناقص ہے۔

امام ترمذی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب مکمل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ما خلا حديثين حديث ابن عباس، ان النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر، وحديث النبي صلى الله عليه وسلم انه قال: اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد في الرابعة فاقتلوه - [سنن الترمذی: ۳/۱]

”میری اس کتاب میں موجود تمام احادیث پر عمل ہوتا رہا ہے اور بعض اہل علم نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا ہے سوائے دو حدیثوں کے، ایک حدیث جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر عصر اور مغرب، عشا کی نمازیں مدینہ میں کسی ڈر خوف، سفر اور بارش کے بغیر جمع کیں۔ دوسری حدیث یہ ہے: شرابی کو کوڑے مارے جائیں اگر وہ چوتھی دفعہ پیئے (پکڑا جائے) تو اسے قتل کر دو۔“

یاد رہے کہ نجاشی رضی اللہ عنہ کے لیے ادا کی جانے والی نماز جنازہ کا ذکر امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں بھی فرمایا ہے۔

عن عمران بن حصين قال، قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اخاكم النجاشي قد مات، فقوموا فصلوا عليه قال: فقمنا فصففنا كما يصف على الميت وصلينا عليه كما يصلى على الميت وفي الباب عن ابى هريرة وجابر بن عبد الله وابى سعيد وحذيفة بن اسيد وجابر بن عبد الله رضوان الله عليهم اجمعين - [سنن الترمذی: ۱۲۳/۱]

”عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تمہارا بھائی نجاشی وفات پا گیا ہے۔ اٹھو، اس کی نماز جنازہ ادا کرو۔ ہم اٹھے اور اسی طرح صف بندی کی جس طرح میت پر صف بندی کی جاتی ہے اور جس طرح میت پر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، اسی طرح نماز جنازہ ادا کی۔“

اس بارے میں ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، البوسعید، حذیفہ بن اسید اور جریر بن عبد اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یاد رہے کہ اس حدیث کو ذکر فرمانے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے سلف صالحین کے درمیان کسی قسم کے اختلاف کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ حالاں کہ ان کی عادت عام طور پر یہ ہے کہ وہ ہر مسئلے میں اہل علم کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو ضرور ذکر کرتے ہیں۔ مشہور محدث فقیہ اور اپنے دور کے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی بھی اس حدیث کے بارے میں صرف اتنا ہی بیان کر سکے ہیں:

”فی المسئلة فریقان، فریق یجوز الصلاة علی الجنائزہ الغائبة وهو الشافعی ومن تبعهم واستدلوا بصلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی (رحمہ اللہ) وفریق لم یجزہ الخ“ [تقریر الترمذی، ص: ۳۳]

”اس مسئلے میں دو گروہ ہیں: ایک گروہ نماز جنازہ غائبانہ کو جائز سمجھتا ہے۔ یہ گروہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار حضرات پر مشتمل ہے۔ ان کی دلیل نجاشی رحمہ اللہ پر ادا کی جانے والی نماز جنازہ ہے اور دوسرا فریق اس کو جائز نہیں سمجھتا۔“

اس دوسرے فریق میں کون کون شامل ہیں اس کا ذکر انھوں نے بھی نہیں فرمایا۔ حالاں کہ ان کی نشان دہی بہت ضروری تھی۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ ایک جماعت نے اس کو جائز نہیں سمجھا۔ اس بنا پر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے دور تک نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ورنہ امام ترمذی رحمہ اللہ ضرور ذکر فرماتے۔ اور اس حدیث پر سب کا عمل تھا۔

ڈاکٹر جلالی صاحب اگر اس دور میں یہ لکھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہوا اور کوئی دلیل بھی پیش نہ کریں صرف تقریر ترمذی میں لکھی ہوئی باتوں کو ذکر کر دیں تو کیا امام ترمذی رحمہ اللہ کے مقابلے میں ان کی بات کو تسلیم کر لیا جائے۔ یہ ناممکن ہے۔ جلالی صاحب کو اپنے دعویٰ پر نظر ثانی کرنی چاہیے تاکہ قرآن و سنت پر عمل کی راہ ہموار ہو سکے اور تعصب اور ضد سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے نماز جنازہ کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

①..... میت کی موجودگی میں نماز جنازہ ادا کرنا۔

②..... قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا۔

③..... میت کی عدم موجودگی میں نماز جنازہ ادا کرنا۔ اس عمل کو

غائبانہ نماز جنازہ کہا جاتا ہے۔

ان واضح امور کے علاوہ کچھ معاملات بین السطور مذکور ہیں جو تھوڑے سے فہم و تدبر سے سمجھ آ سکتے ہیں۔

①..... جس میت کی نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہو اور اسے دفن بھی

کیا جا چکا ہو اطلاع ملنے پر اس کی نماز جنازہ ادا کرنا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلاً فقال: متى دفن هذا؟ فقالوا البارحة، قال افلا اذنتمونی؟ قالوا دفناه فی ظلمة اللیل فکرمنا ان نوقظک، فقام فصففنا خلفه۔ قال ابن عباس (رضی اللہ عنہما) وانا فیہم، فصل علیہ۔

[البخاری: ۱/۱۷۶]

رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس میں میت کو رات کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس میت کو کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا، ”گزشتہ رات“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا ہم نے اسے رات کے اندھیرے میں دفن کیا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کو بیدار کرنا ہم نے مناسب نہیں سمجھا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بندی کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں بھی صف میں شامل تھا۔ آپ ﷺ نے اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔

②..... جو لوگ پہلے نماز جنازہ ادا کر چکے ہیں وہ بھی دوبارہ پڑھ

سکتے ہیں۔ جیسے کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جنھوں نے رات کو میت دفن کی تھی وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے تھے۔

بعض اہل علم میت پر صرف ایک ہی دفعہ نماز جنازہ پڑھنے کے قائل

ہیں۔ جناب حافظ احمد شاہ صاحب کی بہو عزیز ی ہندو شاہ کی بیوی مرحومہ مریم خنساء کی نماز جنازہ کے موقع پر اس امر کا چشم دید گواہ ہوں۔

③..... کسی کے فوت ہونے کی اطلاع ملنے پر اگر آپ میت پر نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں تو بڑی اچھی بات ہے اگر میت کو دفن کیا جا چکا ہے تو قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کر لیں۔ اگر قبر پر جانا ممکن نہ ہو تو اطلاع ملنے پر نماز جنازہ اجتماعی اور انفرادی طور کہیں بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ اجتماعی نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی دلیل نجاشی رضی اللہ عنہ پر ادا کی جانے والی نماز جنازہ ہے اور انفرادی طور پر ادا کی جانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کے لیے نماز جنازہ ادا کی۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”ان النبی ﷺ خرج یوماً فصلی علی اهل احد صلوٰتہ علی المیت ثم انصرف علی المنبر۔“

[الحديث: البخاری: ۱۷۹]

”رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر گئے اور احد والوں پر نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ منبر کی طرف لوٹ آئے۔“

④..... اگر کسی انسان نے کسی کی نماز جنازہ نہ ادا کی ہو تو وہ کسی وقت بھی ادا کر سکتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے احد والوں کے لیے ادا فرمائی تھی۔

⑤..... نبی اکرم ﷺ نے یہ سارا اہتمام اس وجہ سے فرمایا تا کہ ان کے ذمے کسی بھی مسلمان کا حق باقی نہ رہے۔ کیوں کہ اتباع الجنائز ہر مسلمان کے ذمے فوت شدہ مسلمان کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”حق المسلم علی المسلم خمس، رد السلام، وعیادۃ المریض واتباع الجنائز۔ الحدیث“

[البخاری: ۱۶۵/۱]

”مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت کو قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو جواب دینا۔“

براء بن عازبؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ہمیں سات چیزوں

کے کرنے اور سات چیزوں کے نہ کرنے کا حکم دیا۔ کرنے والے امور میں سے جنازے کے ساتھ جانے کا حکم بھی ہے۔ [البخاری: ۱۶۵/۱]

ان دو احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنازے کے ساتھ نہ جانے والا مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اذا صلیت فقد قضیت الذی علیک۔

[البخاری: ۱۷۷/۱]

”حق کی ادائیگی نماز جنازہ ادا کرنے سے ہو جاتی ہے۔“

اس لیے ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کا حق ادا کرنے کے لیے ان کی نماز جنازہ مذکورہ بالا طریقوں میں سے جس طرح بھی ممکن ہو ادا کریں۔ ورنہ عین ممکن ہے قیامت کے دن ہماری نیکیوں سے ان کا یہ حق ادا کیا جائے۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے مفلس انسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی نیکیاں حق داروں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور نیکیاں ختم ہونے پر دوسروں کے گناہ اس کے سر تھوپ دیئے جائیں گے۔ اس لیے یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ضد، عناد، ہٹ دھرمی، مذہبی تعصب، تنگ نظری اور فتنی مویشگافیوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور طرز عمل کو اپنائیں۔ اور ایک ایسی عبادت جس کی ادائیگی سے عظیم پہاڑ کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے اس کو ادا کر کے اجر و ثواب بھی حاصل کریں اور اپنے مسلمان بھائی کا حق ادا کر کے اپنی آخرت کو بھی سنوارنے کی کوشش کریں اور اجر و ثواب ضائع کرنے کی ندامت سے محفوظ رہیں۔

آخر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا وہ قول بھی آپ کے گوش گزار کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ کے اجر و ثواب کے بارے میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصدیق کے بعد فرمایا تھا۔ قول کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”ولقد فرطنا فی قرار یط کثیرۃ۔“

”بے شک ہم اجر و ثواب کے بہت سارے پہاڑ ضائع کر چکے

ہیں۔“ [البخاری: ۱۷۷/۱]

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

جامعہ ام القری الاسلامیہ (گوجرانوالہ) کی عظیم پیشکش شائقین علم حدیث کے لیے بیش قیمت علمی خزانہ

مَقَالَاتِ حَدِیْث

از قلم: شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم: فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق انصاری رحمۃ اللہ علیہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی رحمۃ اللہ علیہ
تحقیق و تخریج: حافظ شاہ محمد فاضل مدینہ یونیورسٹی

حفاظت حدیث اور حجیت پر بیش قیمت تحقیقی مباحث
جمع و تدوین حدیث کے متعلق شکوک و شبہات
کا مکمل ازالہ
منکرین قرآن و سنت اور مستشرقین یورپ کی
آراء و افکار کا علمی و تحقیقی محاسبہ
نایاب رسائل اور نادر مضامین کا مجموعہ
پہلی بار منظر عام پر

• مجلد • 608 صفحات • عمدہ کاغذ • اعلیٰ طباعتی معیار

اپنے شہر کے ہر معیاری کتب خانہ سے حاصل کریں یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

ناشر: ام القری پبلی کیشنز کمشنر روڈ فتومند گوجرانوالہ فون: 0333-8110896, 0321-6466422

خدمت اور
اعتماد کا سفر

تکبیر ٹریولز اینڈ ٹورز پرائیویٹ لمیٹڈ

حج و عمرہ
سروسز

ٹورزم لائسنس نمبر 3359 / وزارت مذہبی امور رجسٹریشن نمبر 3246 / وزارت حج سعودیہ رجسٹریشن نمبر 4139

مستقل ورک ویزہ کے لیے
رہنمائی حاصل کریں

◎ سالہا سال کی کامیاب روایات کا تسلسل الحمد للہ

◎ فاضلین مدینہ یونیورسٹی علماء کی خدمات اور سرپرستی کا مضبوط نیٹ ورک الحمد للہ

مسنون عمرہ سستے اور معیاری ٹیکسٹس قریب ترین رہائش آرام دہ ٹرانسپورٹ

تب ہی تو جماعتی احباب میں سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ آئندہ جماعتی گروپ تکبیر ٹریولز کے ساتھ ہی حج اور عمرہ کیا جائے۔ واللہ الحمد

محمد زبیر عقیل: چیف ایگزیکٹو (فاضل مدینہ یونیورسٹی) 0300-8450426 0333-4484837

سردار محمد نواز ڈوگر: ڈائریکٹر 0300-4699430 0321-7555512

گراؤنڈ فلور ثنا ورسنٹر، موڈ سمن آباد لاہور فون: 042-7525001-2 فیکس: 042-7537604

قرآن کیا ہے؟

⑥

رایتِ حق از ملک آمد گلوں! قریہ ہا از دغلِ شاں خوارد زبوں!
بادشاہوں کے ہاتھوں حق کا جھنڈا نیچا ہو گیا اور آبادیاں اُن کے حملوں سے ویران ہوتی ہیں

آب و نانِ ماست از یک ماندہ دودہٴ آدِٹم ”کنفس واحده“
اور حقیقتاً ہمارا رزق ایک ہی دستر خوان سے ہے اور آدم کا قبیلہ گویا ایک ہی تنفس کی طرح ہے

نقشِ قرآن تا دریں عالم نشست نقشِ ہائے کاہن و پاپا شکست
جب سے اس دنیا میں قرآن کا نقش بیٹھا کاہن اور پاپا کے تمام نقوش مٹ گئے

فاش گویم آنچه در دل مضمر است ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
جو کچھ میرے دل میں ہے اُسے واضح طور پر کہتا ہوں قرآن تو کوئی کتاب نہیں بلکہ کچھ اور ہی شے (معجزہ) ہے

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود
جب وہ روح میں سرایت کرتا ہے تو اس کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور روح بدلی تو لازماً تمام دنیا ہی بدل گئی